سلسلہ
مواعظ حسنہ
نمبر ۷۴

علم اور علماء کرام کی عظمت

عارف باللہ حضرتِ اقدس
مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم

کتب خانہ مظہری
گلشن اقبال کراچی پاکستان

فہرست

ضروری تفصیل

نامِ وعظ: علم اور علماء کرام کی عظمت

نام واعظ: عارف باللہ حضرتِ اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب
دام ظلالهم علينا الى مأة و عشرين سنة

تاریخ وعظ: ۲۴؍شعبان المعظم ۱۴۰۶ھ مطابق ۱۴؍مئی ۱۹۸۶ء
اور دیگر وعظ وملفوظات کا مجموعہ

موضوع: علمِ دین اور علماء کرام کی عظمت وفضیلت

مرتب: یکے از خدام حضرت والا مدظلہم العالی (سید عشرت جمیل میرؔ صاحب)

اشاعت اوّل: رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ

تعداد: ۲۲۰۰

ناشر: کُتب خانہ مَظہَری
گلشن اقبال-۲ کراچی، پوسٹ آفس بکس نمبر ۱۱۱۸۲

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرضِ مُرَتِّب

پیشِ نظر وعظ محبی ومحبوبی، سیدی وسندی، مرشدی ومولائی، شیخ العرب والعجم عارف باللہ حضرتِ اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب ادام اللہ تعالیٰ ظلھم علینا الی مائۃ و عشرین سنۃ کے دو مواعظ اور متعدد ملفوظات کا مجموعہ ہے جسے اِفادۂ اُمت کے لیے ''علم اور علماء کرام کی عظمت'' کے عنوان سے مرتب کر کے شائع کیا جا رہا ہے۔ اس سلسلہ کا اہم وعظ ڈھاکہ، بنگلہ دیش میں ۲۴؍شعبان المعظم ۱۴۰۶ھ مطابق ۱۴؍مئی ۱۹۸۶ء میں ہوا۔

پیشِ نظر عظیم الشان وعظ میں حضرت والا نے علمِ دین اور علماء کرام کی عظمت قرآن پاک اور احادیثِ نبویہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روشنی میں جس طرح مدلل انداز میں پیش کی ہے وہ حضرت والا کے تبحر علم اور بصیرت کی بہترین ترجمانی کرتا ہے۔

عوام میں جن میں اکثر دین دار لوگ بھی شامل ہیں علماء کرام کی اہانت اور تمسخر کا خطرناک رجحان نمو پا رہا ہے جس کی وجہ علماء کرام کے مرتبہ اور عظمت سے ناواقفیت ہے، ان شاء اللہ یہ بیان ان کی آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی ہوگا۔ یہ وعظ ان لوگوں کے لیے بھی مشعلِ راہِ ہدایت کا کام دے گا جو دین کا کام حدودِ شریعت کا لحاظ کیے بغیر کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ حضرت والا کی ذاتِ بابرکات کو مع صحت و عافیت تادیر ہمارے سروں پر سلامت رکھیں، حضرت والا کے فیوض و برکات

تاقیامت جاری رکھ کر ان کو حضرت والا کے لیے صدقۂ جاریہ بنائیں اور ہمیں حضرت والا کی ذاتِ مبارکہ کے فیوض و برکات سے خوب خوب نوازیں اور امت کو اس وعظ سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائیں ۔ آمین یا رب العالمین، بحرمة سید المرسلین علیه الصلوٰة و التسلیم

العارض

احقر سید عشرت جمیل میر عفا اللہ تعالیٰ عنہ

خادمِ خاص

عارف باللہ حضرتِ اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

منور کردے یارب مجھ کو تقویٰ کے معالم سے
ترے در تک جو پہنچا دے ملا دے ایسے عالم سے
کتب خانے تو ہیں اختؔر بہت آفاقِ عالم میں
جو ہو اللہ کا عالم، ملو تم ایسے عالم سے

عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

علم اور علماء کرام کی عظمت

نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

شیخ بنانا کیوں ضروری ہے؟

اس وقت میرا دو روحانی بیماریوں یعنی غصہ اور بدنظری کے سلسلہ میں کچھ عرض کرنے کا ارادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ حسنِ بیان اور اپنی نصرتِ خاص نصیب فرمائیں اور سننے والوں اور سنانے والے کو اِخلاص نصیب فرمائیں اور اِخلاص سے سننا کیا ہے؟ کہ عمل کی نیت سے سنے، خالی واہ واہ کے لیے نہیں اور سنانے والا بھی واہ واہ کا طالب نہ ہو بلکہ آہ آہ کا طالب ہو۔ واہ سے کام نہیں بنے گا، آہ سے کام بنے گا۔ اسی لیے حکیم الامت مجدد الملّت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا تخلص ہی آہ رکھا تھا۔ حضرت کا ایک شعر ہے ؎

تمہاری کیا حقیقت تھی میاں آہ
یہ سب امداد کے لطف و کرم تھے

حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے تمام علمی و عملی کمالات کی نسبت اپنے شیخ حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کی، مطلب یہ کہ مجددِ زمانہ، ڈیڑھ ہزار کتابوں کے مصنف، بڑے بڑے علماء کے شیخ نے اپنی نفی کر کے اپنے کمالات کو اپنے شیخ کی طرف منسوب کیا۔ یہی چیز انسان کو عجب و کبر سے

اور اپنے کو بڑا سمجھنے سے محفوظ رکھتی ہے اور جس کا شیخ نہ ہو تو پھر وہ اپنی طرف نسبت کرتا ہے کہ میں نے یہ کیا، میں نے وہ کیا اور جہاں ''میں میں'' ہو وہیں انسان ذلیل ہو جاتا ہے، یہی ''میں'' والی بیماری شیطان کو تھی جس نے اَنَا کہا تھا، اسی انانیت کو ختم کرنے کے لیے بڑے بڑے بڑے علماء نے بھی اللہ والوں کو اپنا شیخ بنایا اور تاریخ شاہد ہے کہ بڑے بڑے بڑے علماء جو علم کے آفتاب اور ماہتاب تھے ان حضرات نے بھی اپنے نفس کو مٹانے کے لیے اور اپنی تربیت کے لیے مربی اور شیخ کا انتخاب کیا۔

کوئی شخص مربہ نہیں بن سکتا جب تک کہ اس کا کوئی مربی نہ ہو۔ آج مسجد و مدرسہ سے نکل کر دستارِ فضلیت سر پر باندھ کر فوراً مسجد میں امامت کی جگہ بناتے ہیں اور اس کے بعد مقتدیوں کے مربی بن جاتے ہیں حالانکہ پہلے خود مربہ نہیں بنے، تو جو شخص پہلے خود مربہ نہ بنا ہو وہ مربی کیسے بن سکتا ہے؟ نتیجہ یہ ہے کہ پھر لوگوں کی شکایت کرتے ہیں کہ جی مولویوں کی عزت نہیں ہے۔ مولوی کی میم پر جب تک پیش رہے گا اس کی عزت نہیں ہوگی یعنی مولوی صاحب جب تک مُولی صاحب رہے گا، مولی گاجر کے بھاؤ بکے گا۔ مولوی کے معنیٰ ہیں مولیٰ والا جیسے لاہوری کے معنیٰ ہیں لاہور والا، پشاوری کے معنیٰ ہیں پشاور والا، لکھنوی کے معنیٰ ہیں لکھنؤ والا۔ پس جب وہ مولوی اللہ والوں کی صحبت اختیار کرے گا اور اللہ اللہ کر کے مولیٰ والا بن جائے گا تو ان شاء اللہ پھر مخلوق کی مجال نہیں ہوگی کہ اس کو ذلیل کرے اور جو اس کو ذلیل کرے گا اور دھمکی دے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو دھمک دے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت السلام ہے، علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے روح المعانی میں السلام کی تفسیر بیان کی ہے:

﴿اَلَّذِیْ یُسَلِّمُ عَلٰی اَوْلِیَآئِہٖ فَیَسْلَمُوْنَ مِنْ کُلِّ مُخَوِّفٍ﴾

(تفسیر روح المعانی، ج:۲۸، ص:۶۳)

جو اپنے اولیاء کو ہر ڈرانے والے سے سلامت رکھتا ہے۔

اولیاء اللہ اور علماءِ دین کے معاملہ میں آج عوام کی جو جرأت ہے کہ مسجد میں گھڑی کی سوئی دیکھتے ہیں، اگر جماعت کے ٹائم سے ایک منٹ اوپر ہوگیا تو امام کے خلاف بولنے لگتے ہیں، گویا ان کے نزدیک امام لوہے کی ٹونٹی ہے کہ جب چاہا کھول دی، جب چاہا بند کردی، اگر استنجاء کی وجہ سے کچھ تاخیر ہوگئی تو امام صاحب کا پانچ دس منٹ انتظار کرنا چاہیے، لیکن عوام نے امام کو غلام سمجھ رکھا ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک نقل فرماتے ہیں:

﴿اَکْرِمُوا الْعُلَمَآءَ فَاِنَّھُمْ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَآءِ﴾

(کنز العمال، کتاب العلم، ج:۱۰، ص:۱۵۰)

علماء کا اکرام کرو کیونکہ یہ انبیاء کے وارث اور نائب ہیں اور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک اور ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ لَّمْ یُبَجِّلْ عَالِمِیْنَا فَلَیْسَ مِنَّا﴾

جس نے علماء کی عزت نہیں کی میرا اُس سے کوئی تعلق نہیں۔

علماء کے سامنے دعوئِ علم بے ادبی ہے

اردو کی کتابیں پڑھ کر علماء کی اصلاح مت کیجیے، مفتی نہ بنیے۔ ایک بزرگ عالم نے سجدہ میں اپنی کہنیوں کو اپنے گھٹنوں پر رکھ لیا، بعد میں ایک صاحب نے کہا کہ حدیث شریف میں ہے کہ سجدہ میں کہنیوں کو زمین سے نہ لگاؤ مثل کتے کے بیٹھنے کے، بلکہ کہنیاں اُٹھی رہیں تو مولانا نے اس سے پوچھا کہ کیا آپ عالم ہیں؟ تو وہ کہنے لگا کہ عالم تو نہیں ہوں لیکن میں نے اردو کی

کتاب میں پڑھا ہے۔ پھر مولانا نے اس سے فرمایا کہ کیا آپ کے سامنے ساری حدیثیں ہیں یا صرف ایک حدیث دیکھ کر آپ مجھ پر اعتراض کررہے ہیں تو وہ کہنے لگے کہ ساری حدیثیں تو میرے سامنے نہیں ہیں تو مولانا کہنے لگے کہ تم نے مجھ پر جو اعتراض کیا تم نے گناہ کبیرہ کیا، ایک عالم کی عزت کو تم نے نقصان پہنچایا، جب تم جاہل ہو تو تمہیں کیا حق حاصل ہے نصیحت کرنے کا؟ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دو سنتیں ہیں، ایک جوانی کی، دوسری بڑھاپے کی۔ جب بڑھاپے میں آپ علیہ السلام کا جسم مبارک بھاری ہو گیا تھا تو آپ علیہ السلام اپنی کہنیوں سے گھٹنوں پر سہارا لیتے تھے۔

اگر کسی عالم کی کوئی چیز کھٹک رہی ہے تو کسی دوسرے عالم سے کہلواؤ، جیسے باپ سے متعلق کوئی چیز کھٹک رہی ہے تو تایا ابا سے گذارش کرو، خود آگے مت بڑھو۔ یہاں تو جس کو دیکھو خود ہی مفتی بنا ہوا ہے، یہ مفتی مفت کے ہیں، علم والے مفتی نہیں ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے:

﴿ اَجرَاُکُم عَلَى الْفُتیَا اَجرَاُکُم عَلَى النَّارِ ﴾

(سنن الدارمی، ج: ۱، باب الفتیا وما فیه من الشدة)

جو فتویٰ دینے میں زیادہ جری ہے، وہ جہنم میں جانے کے لیے جری ہے۔ ایسے مفت کے مفتی ہر مسئلہ کے بارے میں اپنا ذاتی خیال ظاہر کرتے ہیں کہ میرے خیال میں یہ مسئلہ یوں ہے، اب تو ٹھیلے والا بھی کہتا ہے کہ میرے خیال میں یہ مسئلہ یوں ہے۔ ان عقل کے اندھوں سے کوئی پوچھے کہ بھلا دین میں خیال بھی چلتا ہے؟ کیا دین کوئی خیالی چیز ہے؟ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فقہ کی کتاب شامی میں یہ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص بغیر تحقیق کے مسئلہ بتانے میں جری ہوتا ہے وہ جہنم میں جانے کے لیے جری ہوتا ہے۔ پہلے کتابوں میں دیکھو، اگر سمجھ میں نہ آئے تو اپنے اساتذہ،

مستند علماء سے پوچھو اور ان کے پاس سائل بن کر جاؤ، کوئی اعتراض نہ کرو، باادب انداز میں کہو کہ حضرت میں ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں، شاگرد کی طرح پوچھو۔ امت کے لیے ضروری ہے کہ علماء سے شاگردانہ طریقہ سے پوچھے۔

عمامہ کے متعلق بعض غلط فہمی کا اِزالہ

ایک غیر عالم شخص نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ آپ عمامہ کیوں نہیں باندھتے؟ اگر عالم ہوتا تو ایسی بات نہ کرتا کیونکہ عمامہ باندھنے سے متعلق یہ باتیں مشہور ہیں کہ عمامہ باندھ کر نماز پڑھنے سے پچیس گنا زیادہ ثواب ملتا ہے اور جمعہ کے دن عمامہ باندھ کر جمعہ پڑھانے سے ستر گنا زیادہ ثواب ملتا ہے، مگر محدثِ عظیم ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب موضوعاتِ کبیر میں لکھتے ہیں کہ ذٰلِکَ کُلُّهٗ بَاطِلٌ مَوْضُوْعٌ یعنی یہ باطل اور گھڑی ہوئی باتیں ہیں، لہٰذا تھوڑے سے علم میں جو لوگ اُلجھ جاتے ہیں تو ان کو اس معاملہ میں جرأت نہیں کرنی چاہیے بلکہ کتابوں سے اور بڑے علماء سے رجوع کریں، ان کے پاس دماغ تو ضرور ہے مگر دماغ میں گرمی ہے، جس زمانہ میں لوگ کسی غیر واجب عمل کو واجب سمجھنے لگیں تو اس عمل کا ترک واجب ہو جاتا ہے۔ میں نے بڑے بڑے علماء و مشایخ کو خود کہتے ہوئے سنا ہے کہ بخاری شریف کی حدیث ہے کہ صحابہ نے ٹوپی سے بھی نمازیں پڑھی ہیں، اگر عمامہ باندھ لیا جائے تو اچھا ہے، لیکن اس کو واجب سمجھ لینا جائز نہیں۔

میں ایک دفعہ ڈھاکہ گیا تو دیکھا کہ مسجد میں منبر پر ایک عمامہ رکھا ہوا ہے، اس پر بے شمار مکھیاں بیٹھی ہوئی تھیں اور بہت سارے داغ تھے، اتنے میں امام نماز پڑھانے آیا، اس نے وہ عمامہ باندھا اور نماز پڑھائی، نماز پڑھا کر عمامہ واپس منبر پر رکھ کر چلے گئے، محض مقتدیوں کے ڈر کی وجہ سے عمامہ باندھ

کر نماز پڑھائی، بعض مسجدوں میں مقتدی غالب ہیں، جہالت کا غلبہ ہے، امام بیچارے کے ناک میں دم کیے ہوئے رہتے ہیں، لیکن کسی صحیح عالم امام سے رابطہ ہو جائے تو صحیح مسئلہ معلوم ہو جائے گا، تو اس مسجد میں یہ سلسلہ ماشاء اللہ میری ایک ہی تقریر سے ختم ہو گیا۔ میں نے ان سے کہا کہ عمامہ کبھی باندھو اور کبھی نہ باندھو تا کہ امت اس کو واجب نہ سمجھنے لگے۔

تو حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص سے فرمایا کہ میں تفسیر بیان القرآن لکھتا ہوں اور اس وجہ سے مجھے بہت مطالعہ کرنا پڑتا ہے جس کی وجہ سے میرا دماغ گرم رہتا ہے اس لیے مجھے عمامہ باندھنے کا تحمل نہیں ہوتا، پھر حضرت نے اس شخص سے ایک سوال کیا کہ تم مجھے اتنی تاکید سے عمامہ کے بارے میں کہتے ہو تو میں تم سے کہتا ہوں کہ تم لنگی کیوں نہیں باندھتے ہو جبکہ لنگی بھی تو سنت ہے تو وہ کہنے لگا کہ لنگی کھل جاتی ہے اور میں ننگا ہو جاتا ہوں۔

لنگی پہننا سنتِ موکدہ نہیں ہے

بہت سارے علاقے ایسے ہیں جہاں لنگی باندھنے کو ضروری سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ سنتِ غیر مؤکدہ اور سنتِ عادیہ میں سے ہے، لیکن لنگی باندھنے میں احتیاط بھی بہت ہونی چاہیے۔ میں نے لنگی باندھنے والوں کو بھی دیکھا ہے، کیونکہ بنگلہ دیش کے کچھ طلباء ہمارے ہاں پڑھتے ہیں۔ ایک دفعہ میں نے رات کو معائنہ کیا تو دیکھا کہ وہ خود کہیں تھے اور ان کی لنگی کہیں تھی۔ ایک عالم ہمارے ہاں استاد تھے اور دیوبند کے فاضل تھے، لنگی باندھتے تھے، ایک دفعہ جب مچھروں نے ان کے منہ پر کاٹا تو لنگی سے اپنا منہ چھپا لیا تو بتاؤ ایسی لنگی پہننا جائز ہے جو ستر کو دکھائے؟ اسی لیے کہتا ہوں کہ دن کو لنگی پہنو اور رات کو پاجامہ پہنو تا کہ تمہارے اعضاء مستورہ نہ کھل جائیں خصوصاً جبکہ دوسرے لوگ

بھی ساتھ سورہے ہو مثلاً تبلیغی اجتماع ہو یا مدرسہ میں طلبہ کا ہاسٹل (دارالاقامہ) ہو۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے جامع صغیر میں لکھا ہے کہ اگر اکیلے بھی رہو تو ننگے مت سوؤ کیونکہ اس سے فرشتوں کو حیاء آتی ہے اور ان کو تکلیف ہوتی ہے اور کسی مسلمان کو اذیت پہنچانا حرام ہے تو فرشتوں کو اذیت اور تکلیف دینا تو اور حرام ہے۔

بات چل رہی تھی حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی کہ جب اس آدمی نے حضرت سے کہا کہ میرا استر کھل جاتا ہے اس لیے لنگی نہیں پہنتا تو حضرت نے فرمایا کہ مجھے بھی گرمی لگتی ہے اس لیے عمامہ نہیں باندھتا تو اس نے کہا کہ اللہ کرے آپ کی گرمی اور بڑھ جائے۔ بعض جاہل ایسے بدتمیز ہوتے ہیں، حضرت نے اس کو جواباً کہا کہ اللہ کرے تم اور ننگے ہو جاؤ۔

غیر ضروری کو ضروری سمجھنا گمراہی ہے

اس کے بعد حضرت نے آرام سے سمجھایا کہ دیکھو کبھی علم نہ ہونے سے غیر ضروری چیزوں کو لوگ ضروری سمجھنے لگتے ہیں۔ ایک شخص تہجد پڑھتا ہے اور رات دن درود شریف پڑھتا ہے، لیکن یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اگر وہ کھڑے ہو کر درود شریف نہ پڑھے تو اس کا درود شریف ہی قبول نہیں ہے اور شبِ برأت کو حلوہ نہ بنایا تو بالکل ہی بے دین ہو گیا تو یہ شخص دین میں غلو کرنے والا اور گمراہ ہے کیونکہ غیر ضروری کو ضروری سمجھتا ہے۔ کس حدیث میں یہ آیا ہے کہ درود شریف کھڑے ہو کر پڑھنا چاہیے؟ صحابہ جیسے عاشقوں نے تو شب برأت میں حلوہ نہیں بنایا تو ایک غیر ضروری چیز کو اس طرح سے ضروری سمجھنا یہ صحیح نہیں ہے۔

جب آپ روضۂ مبارک پر کھڑے ہو کر درود شریف پڑھیں تو آہستہ

آواز سے پڑھیں، روضۂ مبارک کے سامنے یہ آیت لکھی ہوئی ہے:

﴿ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ ﴾

(سورۃ حجرات، آیت: ۲)

یعنی میرے نبی کی آواز پر اپنی آواز کو بلند مت کرو چنانچہ جن کو اللہ تعالیٰ نے مدینہ شریف کی زیارت کرائی ہے ان کو معلوم ہے وہاں کوئی زور سے درود شریف نہیں پڑھتا بلکہ شہد کی مکھیوں کی طرح بڑی پیاری آواز میں لوگ درود شریف پڑھتے ہیں، اگر زور سے پڑھیں تو بے ادبی ہے۔ التحیات کے بعد بیٹھ کر درود شریف پڑھنے کا طریقہ مولویوں نے نہیں سکھایا بلکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سکھایا ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے معراج شریف میں نماز سکھائی جس میں درود شریف کھڑے ہو کر پڑھنا نہیں سکھایا بلکہ بیٹھ کر پڑھنا سکھایا، اگر اللہ تعالیٰ کو کھڑے ہو کر درود شریف پڑھنا پسند ہوتا تو اللہ تعالیٰ یہ حکم دیتے کہ قیام کی حالت میں میرے نبی پر درود شریف پڑھو لیکن اللہ تعالیٰ نے بیٹھ کر درود شریف پڑھنا سکھایا مگر آج کل اگر کھڑے ہو کر درود شریف نہ پڑھو تو گویا بہت بڑا جرم کرلیا، حالانکہ یہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ زیادتی اور گستاخی ہے اور غیر ضروری کو ضروری سمجھنا ہے جو عظیم گمراہی ہے۔ اسی لیے دوستو! میں یہ کہتا رہتا ہوں کہ اللہ کی محبت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر چلو اور سرورِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت یہ ہے کہ سنت پر چلو۔

اصلی عشقِ رسول اتباعِ رسول ہے

بہت سے لوگ محبت کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن ان سے پوچھو کہ نماز میں کتنی سنتیں ہیں؟ کچھ معلوم نہیں اور وضو کی کیا سنتیں ہیں؟ کچھ پتا نہیں، حالانکہ سنت پر مرنا اور جینا ہمیں نصیب ہو جائے تو ہماری قسمت بن جائے گی،

آپ بتائیے کہ ایک شخص اپنے باپ کی محبت کا دعویٰ کرتا ہے اور جب ابا کہتا ہے کہ جاؤ بیٹا! دوالے آؤ، میں بیمار ہوں، مجھے کھانسی آرہی ہے تو وہ کہتا ہے کہ میں کام وام تو کچھ نہیں کروں گا، لیکن یا ابا یا ابا کی رٹ لگاتا رہوں گا تو باپ ایسے بیٹے کو کیا کہے گا کہ ابا ابا کی رٹ لگا رہے ہو لیکن ابا کا کہنا نہیں مانتے ہو۔ ایسے ہی بعض لوگ کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام زور زور سے پڑھتے ہیں، لیکن جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت کا وقت آتا ہے تو دُم دبا کر بھاگ جاتے ہیں، نماز نہیں پڑھتے، روزہ نہیں رکھتے، زکوٰۃ نہیں دیتے، حج فرض ہوتا ہے نہیں کرتے، گناہوں سے نہیں بچتے۔ بس سال میں ایک بار میلاد پڑھ لیا اور سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کا حق ہم نے ادا کر دیا۔

ایران کا ایک بڑا شاعر ایک دفعہ دہلی آیا تو سارے لوگ اس کی طرف دوڑ پڑے کیونکہ اس نے ایک نعت لکھی تھی جس کا مضمون بڑا پیارا تھا، اس مضمون سے پتا لگتا تھا کہ اس سے بڑھ کر کوئی عاشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شاید دنیا میں نہ ہو، اس کی نعت سن کر ایک اللہ والے بھی اس کے پاس پہنچ گئے، انہوں نے دیکھا کہ وہ شاعر ایک حجام کے پاس بیٹھ کر ڈاڑھی مُنڈا رہا ہے۔ عشق کا مدار زبان پر نہیں بلکہ عمل پر ہے تو انہوں نے پوچھا کہ آغا ریش می تراشی؟ اے آغا! یہ کیا کر رہے ہو؟ آپ نے اتنی عمدہ نعت پڑھی اور اب ڈاڑھی منڈا رہے ہو تو وہ بوکھلا کر شاعرانہ انداز میں جواب دینے لگا کہ ریش می تراشم و لے دل کسِ رانمی تراشم میں ڈاڑھی چھیل رہا ہوں لیکن کسی کا دل تو نہیں چھیل رہا ہوں تو اس اللہ والے نے جواب دیا کہ بلے دلِ رسول اللہ می تراشی اے شخص تو اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دل چھیل رہا ہے۔ اس لیے دوستو! نبی کے عاشقو! اور میدانِ محشر میں نبی کی شفاعت کی

امید رکھنے والو! زندگی میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ڈاڑھی منڈی ہوئی صورتوں سے نفرت کے ساتھ چہرہ پھیرا ہے اور جس حالت میں موت آئے گی اسی حالت میں اس کو اٹھایا جائے گا لہٰذا اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے رہنا کہ یا اللہ! اس وقت تک ہمیں موت نہ دینا جب تک کہ اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مبارک شکل نہ عطا فرما دیں تاکہ قیامت کے دن میدانِ حشر میں ہم یہ شعر پڑھ سکیں ؎

ترے محبوب کی یا رب شباہت لے کے آیا ہوں
حقیقت اس کو تو کر دے، میں صورت لے کے آیا ہوں

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جس حالت میں آدمی مرتا ہے اسی حالت میں اس کا حشر ہوگا۔ اگر کل میدانِ محشر میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہم سے پوچھا کہ سکھوں نے تو اپنے گرونانک کی محبت میں ڈاڑھیاں رکھیں مگر میری محبت میں تمہیں شرم نہ آئی اور میری شکل وصورت میں تمہیں کیا خرابی نظر آئی کہ تم نے ڈاڑھی نہیں رکھی تو کیا جواب دو گے؟ اگر اللہ تعالیٰ کو ڈاڑھی پسند نہ ہوتی تو اپنے نبیوں کو ڈاڑھی نہ رکھنے دیتے، اللہ کے جتنے محبوب بندے گذرے ہیں ان سب نے ڈاڑھی رکھی تھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کا واقعہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں جو جادوگر آئے تھے، ان سب نے حضرت موسیٰ جیسا حلیہ اختیار کیا ہوا تھا، ڈاڑھی، لمبا کرتا اور لاٹھی، ان لوگوں نے یہ شکل وصورت اس وجہ سے اختیار کی تھی کہ اگر کہیں انہیں شکست بھی ہو جائے تو پتا نہ چلے کہ کون ہار کر بھاگ رہا ہے، ہوشیاری کی تھی، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شکل وصورت جیسی ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو ان

کی شکل وصورت پسند آ گئی اور اللہ تعالیٰ نے ان سب کو ایمان عطا فرما دیا، سب سجدہ میں گر گئے، حالانکہ ان لوگوں کی نیت بھی صحیح نہیں تھی، سب جادوگر یہ جان گئے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام کے اژدھے نے جو ہماری لاٹھیوں کو نگل لیا ہے تو یہ جادو نہیں ہے، اس لیے کہ جادو نام ہے نظر بندی کا، ان جادوگروں نے لوگوں کی نظر بندی کر کے اپنی لاٹھیوں کو سانپ دکھایا تھا جو حقیقت میں سانپ نہیں لاٹھیاں تھیں لیکن ادھر موسیٰ علیہ السلام کا عصا اللہ کے حکم سے حقیقتاً اژدھا بن گیا اور چلنے لگا چنانچہ اس اژدھے نے سب جادوگروں کے سانپ کھالیے جو رسی پر نظر بندی تھی تو جادوگر سمجھ گئے کہ یہ جادو نہیں ہے، جادو ہوتا تو وہ لاٹھی حقیقت میں اژدھا نہ بنتی، لاٹھی ہی رہتی، لیکن نظر بندی سے اژدھا معلوم ہوتی، لہٰذا سب سجدہ میں گر گئے اور سب نے کہا:

﴿قَالُوْا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِیْنَ ○ رَبِّ مُوْسٰی وَ هٰرُوْنَ ○﴾

(سورۃ اعراف، آیت: ۱۲۱۔۱۲۲)

ہم حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے رب پر ایمان لائے کیونکہ لوگ فرعون کو رب کہتے تھے تو ان سب نے امتیاز کر دیا کہ ہم موسیٰ علیہ السلام والے خدا پر ایمان لاتے ہیں۔

حضرت آسیہ کا ایمان

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا کہ یا اللہ! میں نے فرعون اور اس کے وزیر ہامان پر انتہائی محنت کی حتیٰ کہ پسینے آ گئے لیکن پھر بھی آپ نے ان کو ایمان عطا نہیں کیا، حالانکہ فرعون کو تھوڑا سا سمجھ میں آ گیا تھا، ایک دفعہ اس نے اپنی بیوی حضرت آسیہ علیہا السلام سے کہا (جو اس وقت ایمان لا چکی تھیں لیکن ظاہر نہیں کر سکی تھیں) کہ کیا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام

پر ایمان لے آؤں؟ وہ مجھے اللہ کی طرف دعوت دے رہے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ اے فرعون اگر تو اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے تو اللہ تعالیٰ تجھ کو چار نعمتوں سے نوازے گا:

(۱) تو ہمیشہ تندرست رہے گا اور کبھی بیمار نہ ہوگا۔

(۲) تیری جوانی ہمیشہ باقی رہے گی۔

(۳) تیرے باطن کو تعلق مع اللہ کی ایسی دولت عطا ہوگی کہ تو دنیوی زندگی سے زیادہ موت کو محبوب رکھے گا۔

(۴) اور تجھے آخرت کی سلطنت بھی عطا ہوگی یعنی تیری آخرت بھی اللہ درست کردے گا۔

فرعون کی زبانی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پیغام سن کر حضرت آسیہ علیہا السلام نے جواب دیا کہ تجھ جیسے ظالم اور خدائی کا دعویٰ کرنے والے کو خدائے کریم یاد فرمارہے ہیں، ارے ظالم! خوشی کے مارے تیرا پِتّہ کیوں نہیں پھٹ گیا، یہ معمولی کرم نہیں ہے کہ تجھ جیسے ظالم اور سرکش کو مولائے کریم یاد فرما رہا ہے، میرا مشورہ تو یہ ہے کہ اے فرعون تو مشورہ نہ کر، جلدی سے کلمہ پڑھ لے، تجھے تو اسی مجلس میں خوشی خوشی اس دعوت کو قبول کرلینا چاہیے تھا، مجھے تعجب ہے کہ تو خوشی کے مارے مرکیوں نہیں گیا کیونکہ گنجے کے عیب کو تو ایک ٹوپی چھپالیتی ہے لیکن تیرے عیبوں کو تو اللہ کی رحمت چھپانا چاہتی ہے اور بار بار اللہ اللہ کہنے لگیں اور زار و قطار رونے لگیں۔

نااہل سے مشورہ نہیں کرنا چاہیے

اس کے بعد فرعون نے اپنے وزیر ہامان سے مشورہ کیا کہ میری بیوی جو کہہ رہی ہے وہ صحیح ہے یا نہیں۔ اے ہامان! میں زمین کے معاملات

میں تجھ سے مشورہ لیتا رہتا ہوں لہٰذا آسمان کے معاملہ میں بھی میں تجھ سے مشورہ لینا چاہتا ہوں لیکن یہ کمبخت اگر آسمانی ہوتا تو اس کا مشورہ صحیح ہوتا یہ تو زمین کا کیڑا تھا۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس پرندہ کو اللہ آسمانی بناتا ہے تو اس کا منہ اوپر کی طرف رہتا ہے اگرچہ ابھی اس کے پر بھی نہ نکلے ہوں، چھوٹا بچہ ہی کیوں نہ ہو لیکن پھر بھی اس کا منہ آسمان کی طرف ہوتا ہے کیونکہ اس کو مستقبل میں اُڑنا ہے اور آسمانی بننا ہے، چنانچہ کبوتر کا بے بال و پر کا بچہ آسمان کی طرف دیکھتا رہتا ہے اور اپنے بازوؤں کو ہلاتا رہتا ہے، کیونکہ مستقبل میں اُس کو اُڑنا ہے اور گائے بیل کے بچے ہمیشہ نیچے کی طرف دیکھتے ہیں، کیونکہ ان کو اُڑنا نہیں ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ کو اللہ والا بنانے کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کو ہر وقت آسمان اور زمین میں غور وفکر کی توفیق عطا فرما دیتے ہیں کہ ہمارا خالق کون ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

ہمچو فرخِ میلِ او سوئے سما

منتظر بنہادہ دیدہ بر ہوا

یعنی مثل کبوتر کے بچے کے ہر وقت اس کا میلان آسمان کی طرف ہوتا ہے، اگرچہ اس وقت اس کے پر نہیں ہیں، لیکن وہ ہر وقت منتظر ہے کہ کب میرے پر نکلیں گے اور کب میں اڑوں گا۔

حضرت آسیہ کے لیے ایک عظیم الشان نعمت

خیر فرعون کو جب اپنی بیوی حضرت آسیہ علیہا السلام کے ایمان کا پتا چلا تو اس ظالم نے ان کو بہت تکلیف پہنچائی، بہت ستایا، لکڑی کے تختہ پر لٹا کر آپ علیہا السلام کے ہاتھوں اور پاؤں میں کیلیں گاڑ دیں حتیٰ کہ اسی حالتِ تکلیف

میں آپ کی روح نکل گئی۔ مفتی بغداد علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر روح المعانی میں لکھا ہے:

﴿وَ قَدْ وَرَدَ اَنَّ اٰسِيَةَ اِمْرَأَةَ فِرْعَوْنَ تَكُوْنُ زَوْجَةَ نَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ﴾

(تفسیر روح المعانی، ج:۲۵،ص۱۳۶)

تحقیق کہ وارد ہے کہ حضرت آسیہ زوجۂ فرعون جنت میں ہمارے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بیوی ہوں گی۔

اللہ تعالیٰ کے نام پر ذرا مر کے تو دیکھو، مردہ لاشوں پر جو مر رہے ہیں ان کو کچھ نہیں ملے گا بلکہ مردہ پلس مردہ ڈبل مردہ ہو جائے گا، دنیا کے یہ حسین بھی مردہ ہیں، قبروں میں ایک دن گل سڑ جائیں گے اور ان پر مرنے والے بھی مردہ ہو جائیں گے، جو مستقبل میں مردہ ہونے والے ہیں وہ گویا مردہ ہی ہیں، مردہ مردہ پر فدا ہو کر ڈبل مردہ ہو رہا ہے۔

ارے یہ کیا ظلم کر رہا ہے کہ مرنے والوں پہ مر رہا ہے
جو دم حسینوں کا بھر رہا ہے بلند ذوقِ نظر نہیں ہے

اللہ پر فدا ہونے کا انعام

لیکن اگر اللہ پر فدا ہو جاؤ تو اللہ کیا انعام دیتا ہے؟ دیکھو امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو کیا مقام ملا۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ جلد نمبر ایک میں لکھتے ہیں کہ ان کا اصل نام امام احمد بن محمد بن حنبل تھا۔ امام احمد کے والد محمد تھے اور حنبل آپ کے دادا کا نام تھا، لیکن آپ کا پورا نام امام احمد بن حنبل مشہور ہو گیا اور باپ کا نام چُھپ گیا۔ یہ اپنے وقت کے بڑے محدث اور فقیہ تھے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد بھی تھے۔ ان کا ایک مسئلہ میں بادشاہ سے اختلاف

ہو گیا، یہ حق پر قائم رہے، بادشاہ نے بہت دھمکیاں دیں کہ اپنے مؤقف سے ہٹ جاؤ ورنہ سخت سزا دوں گا، لیکن امام احمد بن حنبل اپنے مؤقف پر ڈٹے رہے اور کسی سزا کی پرواہ نہ کی۔ بالآخر جب بادشاہ نے ان کو کوڑے مارنے کی سزا مقرر کی تو بغداد میں ایک شور مچ گیا کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا آج امتحان ہو رہا ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو جب پہلا کوڑا مارا گیا تو فرمایا سبحان اللہ! جب دوسرا کوڑا مارا تو فرمایا **لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ** اور جب تیسرا کوڑا مارا گیا تو فرمایا **لَنْ یُّصِیْبَنَا اِلَّا مَا کَتَبَ اللّٰہُ لَنَا ھُوَ مَوْلٰنَا** یعنی یہ مصیبت جو آ گئی ہے یہ اللہ نے ہمارے لیے مقرر کی ہے جو ہمارا مولیٰ ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کو اتنے کوڑے مارے گئے کہ آپ کا ازار بند ٹوٹ گیا جو کپڑے کا بنا ہوا تھا تو فوراً آسمان کی طرف نظر اٹھائی، اُس وقت آپ کے ہونٹ بھی ہل رہے تھے مگر کسی کو پتا نہ چلا کہ کیا فرمایا، پھر وہ ازار بند خود بخود اوپر ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو ننگا ہونے سے بچا لیا۔

ایک محدث نے ایک ہفتہ کے بعد امام احمد بن حنبل کے گھر جا کر عیادت کی اور پوچھا کہ اے امام احمد بن حنبل! آپ نے اس وقت کیا پڑھا تھا تو فرمایا کہ چونکہ میرا ازار بند ٹوٹ گیا تو میں نے اللہ تعالیٰ سے کہا **اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنِّیْ عَلَی الْحَقِّ فَلَا تَھْتِکْ سَتْرِیْ** اے خدا! اگر تو جانتا ہے کہ میں حق پہ ہوں تو میرے پوشیدہ اعضاء کو ننگا نہ ہونے دیں پس اللہ تعالیٰ نے میرا پاجامہ اوپر اٹھا دیا۔

آپ کے صاحبزادے فرماتے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جو آپ کے استاد تھے اور اس وقت مصر میں تھے انہوں نے اپنے ایک قاصد کو وہاں سے بھیجا اور کہا کہ جس قمیص میں میرے شاگرد امام احمد بن حنبل کو کوڑے لگے تھے وہ قمیص مجھے بھیج دیں، چونکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ حدیث میں آپ

کے استاد تھے اس لیے آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی وہ قمیص جس میں انہیں کوڑے لگے تھے تعمیلِ حکم میں دے دی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شاگرد کی قمیص پانی میں بھگوئی اور وہ پانی پی لیا فَغَسَلَ قَمِیْصَهٗ وَشَرِبَ مَاءَهٗ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ھٰذَا مِنْ اَجَلِّ مَنَاقِبِ اِمَامِ اَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلَ یعنی یہ امام احمد بن حنبل کے بہت عظیم الشان مرتبہ کی بات ہے کہ استاد اپنے شاگرد کا کرتہ پانی میں بھگو کر وہ پانی پی لے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں بَعْدَ مِأَتَیْنِ وَثَلَاثِیْنَ سَنَةً دو سو تیس سال بعد ان کی بغل میں بغداد کا ایک معزز شہری دفن ہوا، اس نے وصیت کی تھی کہ مجھے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کے پاس دفن کرنا، ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ فَلَمَّا دُفِنَ بِجَنْبِهٖ بَعْضُ الْاَشْرَافِ یعنی جب ان کی قبر کے پہلو میں ایک معزز شہری دفن کیا جا رہا تھا اور دفن کے لیے مزدور جو قبر بنا رہے تھے ان سے غلطی سے امام احمد بن حنبل کی قبر پر پھاوڑا لگ گیا جس سے ان کی قبر کھل گئی فَوُجِدَ کَفَنُهٗ صَحِیْحًا لَمْ یَبْلٰی یعنی دو سو تیس سال بعد بھی ان کا کفن بالکل صحیح تھا، پھٹا تک نہیں تھا وَجُثَّتُهٗ لَمْ تَتَغَیَّرْ اور اس عاشق کا جسم بھی بالکل متغیر نہیں ہوا تھا، اسی طرح تازہ دم تھا جیسے ابھی ابھی دفن کیا گیا ہو اور یہ آپ کی کرامت تھی، جو اللہ پر مرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کو عزت دیتا ہے۔ اس کے بعد ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ جب آپ رحمۃ اللہ علیہ کا جنازہ نکلا تو آپ کا جنازہ دیکھ کر بیس ہزار کافر مسلمان ہو گئے کہ جان دے دی مگر حق اور دین کو نہیں چھوڑا، اس کو کہتے ہیں ایمان اَسْلَمَ عِشْرُوْنَ اَلْفًا یَوْمَ وَفَاتِهٖ یعنی ان کی وفات کے دن بیس ہزار عیسائی اور یہودی ایمان لے آئے۔

عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

یہودی اور عیسائی ایمان لے آئے کہ اللہ ضرور ہے جس پر اس طرح سے بھی جان دی جاتی ہے ؎

ان کے کوچے سے لے چل جنازہ مرا　　جان دی میں نے جن کی خوشی کے لیے
بے خودی چاہیے بندگی کے لیے

اللہ کے نام کی لذت

عشق اور محبت نہ ہو تو سجدہ میں مزہ نہیں آتا لہٰذا اللہ والوں سے اللہ کی محبت سیکھ لو۔ آج نماز ہم کو بھاری لگتی ہے مگر جب اللہ کی محبت دل میں آجائے گی تو پھر ایک اللہ کہنے میں آپ کو دونوں جہان کی لذت کا کیپسول دل میں اُترتا ہوا محسوس ہوگا کیونکہ دونوں جہان کی نعمتوں کو پیدا کرنے والے اور ان میں لذت رکھنے والے اللہ تعالیٰ ہیں۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

اے دل ایں شکر خوشتر یا آنکہ شکر سازد

اے دل! یہ چینی زیادہ میٹھی ہے یا چینی کا بنانے والا، جو گنوں میں رس پیدا کرتا ہے تو اس کے نام میں کتنا رس ہوگا۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب میں اللہ کا نام لیتا ہوں تو میرے جسم کا بال بال شہد کا دریا ہو جاتا ہے ؎

نامِ او چو بر زبانم می رود
ہر بُنِ مو از عسل جوئے شود

یعنی جب میں محبت سے اللہ کا نام لیتا ہوں تو میرے سارے بال شہد کے دریا ہو جاتے ہیں۔ ہم تو رات کو حلوہ پیٹ میں امپورٹ کرتے ہیں اور صبح لیٹرین میں ایکسپورٹ کرتے ہیں، یعنی کھانے پینے اور درآمد برآمد کے لیے اپنے پیٹ کو ایک دفتر سمجھ رکھا ہے، دنیا سے تو مزے وہ لوگ لے گئے جنھوں نے اللہ تعالیٰ کو خوب یاد کیا۔ جنت میں صرف ایک ہی حسرت رہے گی کہ کاش! دنیا میں اللہ

کے ذکر میں کوئی کمی نہ کرتے، جب تک سانس ہے چلتے پھرتے یا اللہ یا رحمٰن یا رحیم پڑھتے رہیے، درود شریف وغیرہ پڑھتے رہیے، نظروں کی حفاظت کرتے رہیے اور ساتھ ساتھ دعا کرتے رہیے کہ یا اللہ! ہم نے جو نظروں کی چوری کر کے حرام لذت حاصل کی اس پر تو ہمیں معاف فرما۔ ہمارا نفس چور ہے، اس سے ہوشیار رہنا چاہیے، جیسے ایک شاعر کہتا ہے ؎

اپنے جوتوں سے رہیں سارے نمازی ہُشیار
اِک بزرگ آتے ہیں مسجد میں خضر کی صورت

یعنی ان کی ڈاڑھی سفید ہے، مگر یاد رکھنا کہ نفس کی داڑھی کبھی سفید نہیں ہوتی، یہ ظالم ہمیشہ کالی ڈاڑھی رکھتا ہے ؎

دھوکہ نہ کھائیے کسی ریشِ سفید سے
ہے نفس نہاں ریشِ مُسوَّد لیے ہوئے

ریشِ مسود کے معنی ہیں کالی ڈاڑھی۔

اہلِ علم کو اہلِ ذکر سے کیوں تعبیر کیا گیا؟

تو بات چل رہی تھی علماء کے احترام کی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾

(سورۃ نحل، آیت: ۴۳)

دین کی جو بات تم نہیں جانتے وہ اہلِ ذکر سے پوچھ لیا کرو۔ جملہ مفسرینِ متقدمین ومتاخرین سب نے لکھا ہے کہ اہلِ ذکر سے مراد اہلِ علم ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اہلِ علم کو اہلِ ذکر سے کیوں تعبیر کیا؟ میرے شیخ حضرت شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اصلی اہلِ علم وہ ہیں جو بہت زیادہ اللہ کی یاد میں غرق ہیں، اسی سبب سے ان کا نام ہی اللہ تعالیٰ نے اہلِ ذکر رکھ دیا۔

حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں صوفیوں کے ساتھ بھائیوں کی طرح محبت کرتا ہوں لیکن علماء سے مثل باپ کے محبت کرتا ہوں یعنی جس طرح اپنے باپ کی عزت کرتے ہو ایسے ہی اپنے امام کی عزت کرو اور ذرا ذرا سی بات پر بدگمانی، اعتراض یا غیبت کر کے اللہ کے غضب کو دعوت نہ دو۔ جس میں خود برائیاں ہوتی ہیں اُس کو ہر شخص میں برائیاں نظر آتی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو سات نصیحتیں

مشکوٰۃ شریف (باب حفظ اللسان) کی روایت ہے کہ حضرت ابوذر غِفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی درخواستِ نصیحت پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غِفاری کو سات نصیحتیں فرمائیں جس میں سے ایک نصیحت یہ ہے:

﴿ اُوْصِیْکَ بِتَقْوَی اللّٰہِ عَزَّ وَ جَلَّ فَاِنَّہٗ اَزْیَنُ لِاَمْرِکَ کُلِّہٖ ﴾

(المشکوٰۃ، ج: ۲، ص: ۴۱۴)

کہ تقویٰ سے رہو تیرے سب کام بن جائیں گے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ چاہے وہ دنیا کا کام ہو یا آخرت کا، تقویٰ کی برکت سے دونوں جہان بن جاتے ہیں کیونکہ تقویٰ کی برکت سے وہ خدا کا دوست ہوگیا اور جب خدا کا دوست ہوگیا تو خدا کا یہ جہان بھی ہے اور وہ جہان بھی ہے، خدا دونوں جہان میں اس کو راضی رکھتا ہے، جب ابا راضی ہو تو پردیس میں بھی بیٹے کو خرچہ بھیجتا ہے اور کہتا ہے کہ اچھا کھانا کھاؤ، ایک ملازم بھی رکھو اور خوب آرام سے رہو اور وطن میں بھی اسی فکر میں رہتا ہے کہ میرا بیٹے کو کوئی پریشانی نہ ہو۔ اسی طرح جو اپنے رب کو ناراض نہیں کرتا بلکہ ہر وقت راضی رکھتا ہے تو رب بھی اس کو پردیس اور وطن دونوں میں آرام سے رکھتا ہے۔

اس کے بعد حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ مزید نصیحت فرمائیں تو دوسری نصیحت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ فرمائی:

﴿عَلَیْکَ بِتِلَاوَۃِ الْقُرْاٰنِ وَ ذِکْرِ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ فَاِنَّہٗ ذِکْرٌ لَّکَ فِی السَّمَآءِ وَ نُوْرٌ لَّکَ فِی الْاَرْضِ﴾

(المشکوٰۃ، ج: ۲، ص: ۴۱۴)

تلاوت اور ذکر اللہ کو اپنے اوپر لازم کرلو۔ آج ہمارا یہ حال ہے کہ قرآن شریف طاقوں میں جزدانوں میں لپٹے ہوئے ہیں، قرآن پاک کو طاقوں میں مت رکھو، روزانہ تلاوت کرو، چاہے ایک ہی رکوع ہو یا صرف دس آیتیں ہی کیوں نہ ہوں البتہ مسافر مستثنیٰ ہے کیونکہ بروایت بخاری شریف اس کے فرض آدھے ہوجاتے ہیں اور مسافر کو ثواب اتنا ہی ملتا ہے جتنا وہ وطن میں وظیفہ پڑھتا تھا، پھر آپ نے فرمایا کہ کثرتِ تلاوت کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آسمانوں میں تیرا ذکر ہوگا اور زمین میں تیرے لیے نور ہوگا۔ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تلاوتِ قرآنِ پاک اور ذکر اللہ کا انعام بتا رہے ہیں کہ آسمان میں تمہارا ذکر ہوگا اور زمین میں اللہ تعالیٰ تمہیں نور عطا فرمائیں گے۔

صحابہ کرام کی دین کی حرص

آج ہم لوگ کہتے ہیں کہ مولویوں سے زیادہ مسائل نہ پوچھو، اگر تم نے نماز کا پوچھا تو روزہ گلے لگا دیں گے، لیکن صحابہ کی دین کی پیاس بجھتی ہی نہ تھی۔ حضرت ابوذر غفاری حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرتے ہیں قُلْتُ زِدْنِیْ ہمیں اور زیادہ نصیحت کیجیے۔ دو نصیحتوں کے بعد عرض کیا اور فرمائیے، واہ یہ ہے طلبِ علم! ایک کباب کے بعد دوسرے کباب کی طرف بھی ہاتھ لپکتا ہے، جب دنیوی کبابوں کی اتنی طلب ہے تو علم جو آخرت کی چیز ہے اس کی

طلب تو اور زیادہ ہونی چاہیے تا کہ آخرت بن جائے تو آپ علیہ السلام نے مزید فرمایا:

﴿عَلَیۡکَ بِطُوۡلِ الصَّمۡتِ فَاِنَّہٗ مَطۡرَدَۃٌ لِّلشَّیۡطٰنِ وَعَوۡنٌ لَّکَ عَلٰی اَمۡرِ دِیۡنِکَ﴾

(المشکوٰۃ، ج: ۲، ص: ۴۱۴)

کہ اے ابوذر! تم اکثر خاموش رہا کرو کیونکہ اس کی وجہ سے شیطان تم سے ڈرے گا اور تمہارے دین کے تمام معاملوں میں اس سے مدد ملے گی۔ حضرت ابوذر غفاری نے پھر عرض کیا قُلۡتُ زِدۡنِیۡ اے اللہ کے نبی! مجھے اور نصیحت کیجیے۔ کیا حرص ہے اور کیا حریص طالبِ علم ہے، لیکن یہ حرص مبارک ہے، ہر لالچ بری نہیں ہوتی۔

ایک میمن نے تبلیغ میں وقت لگایا پھر اپنے تبلیغی بھائیوں سے کہنے لگا کہ بھائیو! میمن بڑا لالچی ہوتا ہے تو سب نے سمجھا کہ شاید چندہ مانگ رہا ہے، لیکن پھر کہنے لگا کہ پہلے سن لو! پہلے میں پیسوں کا لالچی تھا، اب میں آپ کی دعاؤں کا لالچی ہوں تو سب نے کہا کہ ہم تو سمجھ رہے تھے کہ یہ پیسہ مانگے گا مگر یہ دعائیں مانگ رہا ہے، اس کی لالچ بدل گئی۔

علماء پر تنقید نادانی و بدفہمی ہے

تبلیغی جماعت سے یاد آیا کہ بعض اوقات غیر عالم لوگ حدودِ شریعت سے واقف نہ ہونے کے سبب عوام میں تبلیغِ دین کی فضیلت پر اس طرح تقریر کرتے ہیں کہ مثلاً بعض ساتھی تبلیغ کے لیے جاپان گئے اور وہاں جا کر انہوں نے اذان دی، نماز پڑھی اور چٹنی روٹی کھا کر سو گئے تو وہاں کے کافر کہنے لگے کہ ارے ان کو تو بلا نشہ ہی نیند آ گئی جبکہ ہم ہیروئن کھا رہے ہیں،

نشہ کی گولیاں کھا رہے ہیں اور پھر بھی نیند نہیں آتی اور یہ مسلمان جو اللہ کے راستہ میں نکلے ہیں ان کا مذہب تو بڑا اچھا ہے اور آٹھ دس آدمی ان کو دیکھ کر مسلمان ہوگئے۔ پھر یہ نادان مبلغ علماء پر تنقید کرنے لگتے ہیں کہ جو کام تبلیغ والے عوام کر رہے ہیں وہ علماء بھی نہیں کر رہے۔ یہ سخت نادانی و بدفہمی ہے۔ بات یہ ہے کہ اہلِ کفر تو اپنے کفر اور خدا سے دوری کی لعنت کے باعث پریشان ہیں، بے چین ہیں وہ جب دیکھتے ہیں کہ اللہ کی عبادت کر کے یہ لوگ چٹنی روٹی کھا کر سو گئے تو وہ اسی سے اسلام لے آتے ہیں۔

لہٰذا ان لوگوں کی تعریف اس حیثیت سے تو کرو کہ انہوں نے ایک مستحب عمل کیا لیکن ان کو علماء پر فضیلت مت دو کیونکہ علماء بخاری شریف پڑھا رہے ہیں، علومِ نبوت کی حفاظت اور نشر و اشاعت کر رہے ہیں جو فرض ہے اور اب تبلیغ میں جانا فرض نہیں ہے البتہ ایک مستحب اور پیارا عمل ہے۔ پس جو لوگ علماء کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ کل کافر قیامت کے دن علماء کے گریبان پکڑیں گے کہ تم لوگ اپنے مدرسوں میں پڑے رہے، ہمیں کفر کی تاریکی سے نہیں نکالا، تم نے ہمیں دوزخ میں کیوں جانے دیا تو ایسے لوگ سخت نادان اور بے عقل ہیں۔ اس طرح کی باتوں کا یہ اثر ہوتا ہے کہ عوام الناس کے دماغ میں علماء کی بے وقعتی آ جاتی ہے۔

اسلام کا پیغام سارے عالم میں پہنچ چکا ہے

اب میں مسئلہ بتاتا ہوں کہ بقول ان لوگوں کے اگر ان کافروں کو اسلام پہنچانا مستحب نہیں، فرض ہے تو ہمارے جتنے بھی بزرگ گذرے ہیں مثلاً شاہ عبدالعزیز صاحب، شاہ ولی اللہ صاحب، امام ابوحنیفہ، امام بخاری رحمہم اللہ یہ امریکہ اور جاپان نہیں گئے تو یہ سب کے سب کیا ہیں؟ یہ سب کے سب

تارکِ فرض ہوئے یا نہیں اور تارکِ فرض ولی اللہ نہیں ہو سکتا تو گویا بارہ سو برس تک کوئی ولی اللہ ہی نہیں ہوا۔ اسی لیے میں نے ایک بہت بڑے مفتی صاحب سے مسئلہ پوچھا کہ علماء کے متعلق اس طرح بیان کرنا کیسا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ بالکل غلط اور جہالت پر مبنی ہے، چونکہ اس کام میں اکثر علماء محققین نہیں ہیں۔ مفتی صاحب نے فرمایا کہ آج اسلام اور ایمان سارے عالم میں پھیل گیا ہے، آج کوئی کافر ایسا نہیں جس کو یہ نہ معلوم ہو کہ اسلام کیا ہے، کوئی کافر ایسا نہیں جس کو معلوم نہ ہو کہ اسلام کے علاوہ کوئی دین اللہ کے نزدیک مقبول نہیں اور اسلام کے علاوہ جو کسی اور دین کو اختیار کرے گا جہنم میں جائے گا۔

اس لیے میں نے چند باتیں عرض کر دیں کیونکہ تبلیغی جماعتوں میں دوست احباب کے ساتھ ہماری بھی کافی شرکتیں ہوئی ہیں تو میں نے یہ مرض محسوس کیا لہٰذا میں نے مفتی رشید احمد صاحب سے بات کی کہ جو لوگ جاپان جا کر مسلمان بنا رہے ہیں یہ لوگ زیادہ افضل ہیں یا علماء جو بخاری پڑھا رہے ہیں؟ تو مفتی صاحب ہنسے کہ جو لوگ تبلیغ کا مبارک کام کر رہے ہیں وہ مستحب میں مشغول ہیں فرض میں نہیں، ایک کافر بھی ایسا نہیں ہے جو یہ نہ جانتا ہو کہ اسلام کیا ہے، اذان کیا ہے اور اب تو ریڈیو ٹیلی ویژن سے اذانوں کی آوازیں سارے عالم میں پہنچ چکی ہیں، اسلام کا پیغام سارے عالم میں پہنچ چکا ہے، سب سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کا ایک مذہب ہے جس کا دعویٰ ہے کہ اسلام کے علاوہ اب کوئی دین اللہ کے یہاں قبول نہیں، نجات کا ذریعہ صرف اسلام ہے لہٰذا اب ان کافروں کے ذمہ تحقیق ہے، لیکن جو ان کو دین کی دعوت دینے جاتے ہیں وہ بھی ثواب سے محروم نہیں رہیں گے کیونکہ وہ بخاری نہیں پڑھا سکتے تو یہی کام کر لیں اور ثواب حاصل کریں۔ ہم مدرسہ میں مشغول ہیں تو ان حضرات کو جانے کا موقع دیا جائے کہ ہمارا مال جگہ جگہ پہنچاؤ، اس لیے ان کی

قدر کرنی چاہیے لہٰذا ہم اپنے دوستوں کو متوجہ بھی کرتے رہتے ہیں کہ تبلیغی جماعت کے ساتھ شرکت کرو۔

کافروں کو مسلمان کرنا فرض نہیں ہے

تبلیغ کا کام مبارک ہے، مستحب ہے، پسندیدہ ہے لیکن اب فرض کے درجہ میں نہیں ہے بلکہ کافروں کو مسلمان کرنا اسلام نے فرض نہیں کیا۔ اگر کافروں کو مسلمان کرنا فرض ہوتا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جن علاقوں کو فتح فرماتے ان کو اس فرض پر مجبور کرتے کیونکہ فرض پر مجبور کیا جاتا ہے لیکن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی مجبور نہیں فرمایا بلکہ حکم دیا کہ یا تو اسلام قبول کرو یا جزیہ دو پس جو کفار جزیہ دینے پر راضی ہو جاتے تو ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جاتا، زبردستی اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جاتا اور جزیہ کا حکم اس لیے ہے کہ اسلام کی شوکت و عزت اور کفر کی ذلت و پستی ظاہر ہو۔ جزیہ لے کر ان کو اسلام پر مجبور نہ کرنے کے کیا معنی ہوئے؟ اس کے معنی یہ ہوئے کہ ان کو مسلمان کرنا فرض نہیں ہے، اسلام کی اطلاع دینا فرض ہے اور وہ ہو چکی، اب اگر تمہارا دل نہیں چاہتا تو ہم تمہیں مسلمان ہونے پر مجبور نہیں کرتے، اگر مسلمان بنانا فرض ہوتا تو رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہی فرماتے کہ میری رحمت کا تقاضہ یہ نہیں ہے کہ تمہارے چند پیسوں سے تمہارے کفر پر راضی ہو جاؤں، یعنی تمہارے دوزخ میں جانے پر راضی ہو جاؤں۔ اس سے معلوم ہوا کہ کافروں کو مسلمان کرنا فرض نہیں ہے۔ یہ بہت بڑے مفتی صاحب کی تقریر عرض کر رہا ہوں جو پاکستان میں سب سے زیادہ فقیہ ہیں اور فقہ میں تخصص کرا رہے ہیں، علماء کو فقیہ بنا رہے ہیں۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کفار کو خط لکھ رہے ہیں، مشکوٰۃ

شریف میں یہ خط موجود ہے کہ ’’اے لوگو! اِنِّیْ اَدْعُوْکُمْ اِلَی الْاِسْلَامِ میں تم کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اگر تم قبول کرتے ہو تو ٹھیک ہے ورنہ تم مجھ کو جزیہ دو اور تم جزیہ کیسے دو؟ عَنْ یَدٍ اپنے ہاتھوں سے دو تاکہ تمہاری ذلت قائم رہے، اگر تم کسی واسطہ سے بھیجو گے تو ہم ہرگز قبول نہیں کریں گے، ہمیں تمہارے پیسے کی حاجت نہیں بلکہ تمہارے کفر کی ذلت دِکھانا مقصود ہے۔ لہٰذا تم جزیہ خود آکر دو اور اگر نہیں مانتے تو ہم تم سے قتال کریں گے، اسلام نہ لانے سے نہیں، جزیہ نہ دینے سے قتال کریں گے وَاَنْتُمْ صَاغِرُوْنَ اور تم ذلیل ہو جاؤ جزیہ دے کر اور اگر ایسا نہیں کرتے ہو تو نَحْنُ نُحِبُّ الْمَوْتَ کَمَا تُحِبُّوْنَ الْخَمْرَ ہم موت کو اتنا محبوب رکھتے ہیں جتنا تم شراب سے محبت کرتے ہو پس تم ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

پس اگر صحابہ جزیہ لے کر ان کو مسلمان نہیں بنا رہے ہیں، کہتے ہیں کہ تم اسلام لاؤ یا نہ لاؤ جزیہ دو ورنہ ہم لوگ جزیہ نہ دینے پر تم سے قتال کریں گے تو معلوم ہوا کہ جب وہ جزیہ دینے پر راضی ہو گئے تو اسلام کو زبردستی ان کے گلے لگانا کہاں فرض رہا؟ اگر اسلام کو گلے لگانا فرض ہوتا تو چند پیسوں کے بدلہ ان کے کافر رہنے پر کیا اسلام راضی ہو جاتا؟ تو معلوم ہوا کہ اسلام کو ان تک پہنچانا تو ضروری ہے مگر ان کو مسلمان بنانا فرض نہیں ہے۔ (ایک صاحب نے حضرت والا سے اجازت لے کر سوال کیا کہ بعض تبلیغی حضرات کہتے ہیں کہ صحابہ مدینہ منورہ، مکہ معظّمہ میں فوت نہیں ہوئے، وہ سب تبلیغ کرنے دنیا میں پھیل گئے تھے تو حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ) بہت سے صحابہ کو انتظامِ ملکی کے لیے دوسرے ملکوں میں بھیجا جاتا تھا اور صحابہ کی شان تو یہ تھی کہ جہاں جاتے تھے دین پھیلاتے تھے ؎

جہاں جاتے ہیں ہم تیرا فسانہ چھیڑ دیتے ہیں
کوئی محفل ہو تیرا رنگِ محفل دیکھ لیتے ہیں

اس لیے وہ جہاں گئے نور پھیل گیا مثلاً حضرت عقبہ ابن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مصر کے گورنر (عامل) بنائے گئے تھے، اب جب ان کو گورنر بنا کر بھیجا جاتا تو کیا وہ نہ جاتے؟ آپ کو اگر کمشنر بنا کر کہیں بھیجا جائے اور حکومت اسلامی ہو تو جانا پڑے گا۔ پس اسلامی ملک کا انتظام سنبھالنے کے لیے ان کو بھیجا گیا تھا۔

لہٰذا تبلیغ کا جوش دِلانے کے لیے اس طرح بیان کرنا کہ سب صحابہ تبلیغ کے لیے مدینہ سے نکل گئے تھے اور مدینہ صحابہ سے خالی ہو گیا حقیقت کے خلاف ہے۔ ہزاروں صحابہ کی قبریں مدینہ شریف میں ہیں۔ جتنے صحابہ کی قبریں شام و مصر میں ہیں یہ سب وہاں کے گورنر تھے۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کے بارے میں اسماء الرجال کے تحت شیخ ولی الدین مشکوٰۃ کے آخر میں لکھتے ہیں کہ سَکَنَ بِالشَّامِ وَمَاتَ بِدَمِشق شام کے گورنر تھے اور دمشق میں قبر ہے۔ پس اس کو اس طرح نہ بیان کرو کہ وہ بستر لے کر تبلیغ کے چلّہ میں گئے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کی تعداد

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگردوں کی تعداد آٹھ سو تک بتائی ہے، ان میں صحابہ اور تابعین شامل ہیں۔ چار صحابہ کا ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے خاص طور پر نام لیا ہے جن میں حضرت عبداللہ ابن عمر، حضرت عبداللہ ابن عباس، حضرت جابر اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم شامل ہیں، اس طرح کل آٹھ سو صحابہ اور تابعین حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث پڑھتے تھے، وہ نہ بستر لے کر نکلتے تھے، نہ کہیں چلہ پر جاتے تھے۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ا کے شروع ہی میں یہ ساری چیزیں موجود ہیں اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پانچ ہزار تین سو چونسٹھ (۵۳۶۴) حدیثیں پڑھایا کرتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگردوں میں حضرت عبداللہ ابن عمر، حضرت عبداللہ ابن عباس، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے بڑے بڑے صحابہ شامل تھے جن سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ خبردار! تم لوگ مدینہ چھوڑ کر جا نہیں سکتے تا کہ مجھے کوئی مشورہ کرنا ہو تو میں تم لوگوں سے مشورہ کروں تو دین کا کام آپس میں مل جل کر کرو، دین کے ہر شعبہ کو اہم سمجھو اور اپنا ہی کام سمجھو اس طرح سے مت کرو کہ نفرت دلاؤ اور علماء کی بے وقعتی کرو۔ چند نادانوں کی باتوں سے ایسا معلوم ہونے لگتا ہے جیسے خدانخواستہ بستر لے کر نہ نکلنے اور چلہ نہ لگانے سے آدمی دوزخ میں چلا جائے گا۔ اس طرح غلو کرنا کیسے جائز ہوگا۔ کتنے جلیل القدر صحابہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیثیں پڑھا کرتے تھے اور کبھی مدینہ سے نہیں نکلے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو اپنے دورِ حکومت میں سختی سے یہ پابندی عائد کی تھی کہ جو صحابہ علماء ہیں وہ ہرگز مدینہ سے باہر نہیں جائیں گے۔

علماء کی تحقیر حرام ہے

اس تقریر سے شریعت کی حدود کا علم ہو گیا کہ کیا فرض ہے اور کیا نہیں۔ اس لیے ایسا عنوان اختیار کرنا جس سے علماء کی بے وقعتی اور تحقیر ہوتی ہو حرام ہے۔ اگر آلو، سبزی اور گوشت بیچنے والے تبلیغ میں جا کر علماء سے کہیں کہ بھئی آپ جو علم دین پڑھ پڑھا رہے ہیں یہ کچھ نہیں ہے، جا کر تبلیغ میں چلہ لگاؤ اور اگر کسی عالم کے متعلق معلوم ہو گیا کہ اس نے چلہ نہیں لگایا ہے تو اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ ارے میاں! یہ سب ایسے ہی حجروں میں بیٹھے ہوئے ہیں، ان سے دین کا کوئی کام نہیں ہو رہا ہے۔ اگرچہ سب تبلیغ والے ایسے نہیں ہیں، جو بزرگوں کے تربیت یافتہ ہیں وہ تو بہت معتدل ہیں لیکن

اکثریت نادانوں کی ہے۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا کہ جس وقت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کا وقت قریب تھا تو میں ان کی خدمت میں دہلی میں حاضر ہوا تو مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے دو سوال کیے۔ ایک یہ فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں میں استدراج میں تو مبتلا نہیں ہوں کیونکہ لوگ میری طرف جوق در جوق متوجہ ہو رہے ہیں۔ حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ اگر استدراج ہوتا تو آپ کو خوفِ استدراج نہ ہوتا، آپ کا یہ خوفِ استدراج کہ کہیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈھیل تو نہیں ہے دلیل ہے کہ آپ استدراج میں مبتلا نہیں ہیں کیونکہ جن کو وہ استدراج میں مبتلا کرتے ہیں یعنی جن کو ڈھیل دیتے ہیں ان کو احساس بھی نہیں ہوتا کہ مجھے ڈھیل دی جارہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾

(سورۃ اعراف، آیت: ۱۸۲)

تو سَنَسْتَدْرِجُهُمْ میں لَا يَعْلَمُوْنَ کی قید لگی ہے، کہ ہم اس حیثیت سے ڈھیل دیتے ہیں کہ اس کے لیے لاعلمی ضروری ہے۔ یہ بات میرے دل میں اللہ تعالیٰ نے ڈالی، مفتی صاحب نے یہ بیان نہیں کیا یعنی اس کی دلیل ابھی اللہ تعالیٰ نے میرے بزرگوں کی برکت سے میرے قلب میں ڈالی کہ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ ہم جن کو استدراج اور ڈھیل دیتے ہیں، ناراضگی کے باوجود ان کو نعمتوں میں اتار دیتے ہیں تو مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ کی قید بھی ہے، یعنی ان کو اس بات کا احساس بھی نہیں ہوتا کہ انہیں ڈھیل دی جارہی ہے۔

مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری بات یہ فرمائی کہ چونکہ علماء تبلیغ میں کم ہیں لہٰذا مجھے اندیشہ ہے کہ عوام حدودِ شریعت قائم نہیں رکھ سکیں

گے۔ مفتی صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ اس بات پر میں خاموش ہو گیا، میں نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا کہ اس بات کا تو کوئی علاج نہیں۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ نے سورۃ توبہ میں جہاں اَلْاٰ مِرُوْنَ بِـالْـمَعْرُوْفِ وَ الـنَّـاهُـوْنَ عَـنِ الْمُنْكَرِ نازل کیا کہ بھلی بات بتاتے ہیں اور بری بات سے روکتے ہیں وہیں یہ بھی فرمایا وَالْـحٰـفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ اللہ کے دین کی حدود کی حفاظت بھی کرتے ہیں اور قانون اور حدود کی حفاظت وہ کرے گا جو حدود کو جانے گا اور حدود کو جاننے والے علماء ہیں تو علماء سے استغناء اور ان کو اس بناء پر حقیر سمجھنا کہ وہ تبلیغ کرنے جاپان نہیں گئے، امریکہ نہیں گئے اور یہ کہ وہ چھوٹے سے کنوئیں میں مینڈک کی طرح بیٹھے ہیں اور دین کی تبلیغ کے بین الاقوامی کام سے جڑے ہوئے نہیں ہیں سخت بے ادبی ہے۔ ایسے شخص کو قیامت کے دن پتا چلے گا کہ علماء کی تحقیر کتنا بڑا جرم ہے۔ علماء کی اہانت کو شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کفر لکھا ہے، یہ جرم عظیم ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں مَنْ لَّمْ يُبَجِّلْ عَالِمِيْنَا فَلَيْسَ مِنَّا کہ جس نے میری امت کے عالم کا اکرام نہیں کیا، اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں، لہٰذا جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہی رشتہ کٹ گیا تو ایسے شخص کا کیا حشر ہو گا۔

اہانتِ علم و علماء کفر ہے

بینات میں ایک مضمون شائع ہوا تھا کہ کوئٹہ میں اجتماع ہوا۔ اس اجتماع میں علماء کرام کی تقاریر کے بعد ایک غیر عالم کھڑا ہوا اور اس نے کہا کہ مولوی لوگوں کی باتیں تو آپ نے سن لیں، اب عمل کی بات کرو، بولیں بھئی بولیں! چلہ، سال کی جماعتوں کے لیے۔ حاملانِ وحی، جن کے سینوں میں قرآن و حدیث ہے، ان کے ساتھ اس طرح حقارت کا عنوان اختیار کرنا

علماء کرام کے خلاف نفرت اور حقارت پیدا کرنا ہے۔ اس لیے حدودِ شریعت کی حفاظت بہت ضروری ہے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اہانتِ علم اور علماء کفر ہے۔ یہ بات کہاں تک پہنچتی ہے۔ اگر اہانت من حیث العلم ہو جیسے مثال کے طور پر یہ کہا گیا کہ اب مولانا لوگوں کی تقریر تو ہوگئی، بولو بھئی بولو اب عمل کی بات کرو، تقریروں سے کام نہیں ہوتا، بولو بھئی کتنا چلہ دو گے۔ گویا علماء کی تقریریں محض باتیں ہیں عمل سے خالی ہیں۔ اس قسم کا عنوان جس سے علماء کی اور قرآن وحدیث کی باتوں کی بے وقعتی ہوتی ہوا اہانتِ علم ہے اور شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اہانتِ علم اور اہانتِ اہلِ علم کفر ہے۔

لہٰذا اس طرح کا کوئی طرز اختیار مت کرو کہ گویا علماء کو گرفت میں لانا چاہتے ہو کہ مولوی لوگ جو مدرسوں میں پڑھا رہے ہیں وہ سب بے کار ہیں۔ علماء کی جوتیوں کی خاک کو اپنے سے افضل سمجھو۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمانِ عالیشان ہے **مَنْ لَّمْ یُبَجِّلْ عَالِمِیْنَا فَلَیْسَ مِنَّا** جو ہمارے علماء کا اِکرام نہیں کرے گا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ علماء کے اِکرام کے لیے یہی حدیث کافی ہے۔

مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو علماء ربّانین کی حقارت کرتا ہے اس کی قبر کو کھود کر دیکھو، اس کا منہ قبلہ سے پھیر دیا جاتا ہے۔ بہرحال تبلیغ میں اکثریت اچھوں کی ہے جو علماء کا اِکرام کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا اعلانِ جنگ

اللہ تعالیٰ نے علماء کو بڑا درجہ دیا ہے۔ اس لیے کہتا ہوں کہ ان کی قدر

کرو لیکن جس کے قلب میں علماء کی عظمت نہ ہو تو مجھے صدمہ ہوتا ہے، پس عوام جب بستر لے کر دین کے لیے جاتے ہیں تو مجھے خوشی ہوتی ہے، ہم خود ترغیب دیتے ہیں اور ہم اجتماعات میں بھی بلائے جاتے ہیں، ہماری تقریریں بھی ہوتی ہیں لیکن جب کہیں ایسی بات سنتا ہوں جس میں علماء، مشائخ اور بزرگانِ دین کی بے وقعتی ہو تو مجھ سے یہ بات برداشت نہیں ہوتی کیونکہ مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا قاسم نانوتوی، عبداللہ بن مبارک، امام ابوحنیفہ، امام احمد ابن حنبل، امام شافعی، خواجہ حسن بصری رحمہم اللہ وغیرہ یہ سب حضرات تو بستر لے کر نہیں نکلے، پھر اس قسم کی بات کرنا کہ جو چلہ نہیں لگاتا اس کے جنت میں جانے کی گویا کوئی ضمانت نہیں یا ایسی تقریر کرنا جس سے علماء کرام کی عوام کے دل میں وقعت کم ہو جائے حرام ہے۔ سنو فتویٰ اس فقیر کا کہ ایسا عنوان اختیار کرنا اور کسی عمل یا کسی نوع کی خدمت کی فضیلت اس طرح بیان کرنا جس سے علماء و مشائخ اور اہل اللہ کی عظمتوں میں کمی آجائے اور لوگ کہنے لگیں کہ ہمارے علماء و مشائخ تو کچھ نہیں کرتے، حجروں میں پڑے ہیں، مدرسوں میں پنکھوں کے نیچے بیٹھے ہیں، اس قسم کے بیانوں کے حرام ہونے کا فتویٰ احقر دیتا ہے اس لیے کہ حدیثِ قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مَن عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ﴾

(صحیح البخاری، ج: ۲، ص: ۹۶۳ باب التواضع)

جو میرے اولیاء کی حقارت اور ان کے ساتھ دشمنی کرے تو میرا اس سے اعلانِ جنگ ہے۔ کیا یہ معمولی دشمنی ہے کہ امت کو اہل اللہ سے، علماء سے بدظن کر دیا جائے اور صرف چند چلّے لگانے سے غیر علماء کو علماء کے برابر کر دیا جائے؟ یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے دل کے مریضوں کو ہارٹ اسپیشلسٹوں کی بے وقعتی کر کے مرہم پٹی کرنے والوں کا معتقد بنایا جائے کہ جاؤ ٹانگ پر پٹی چڑھا لو، وہ بیچارہ آیا تھا

دل کا آپریشن کروانے کے لیے معلوم ہوا کہ ہارٹ فیل ہوگیا اور پٹی بندھی کی بندھی رہ گئی۔

اہلِ علم کا بلند درجہ

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر روح المعانی میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں یَرۡفَعِ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ (سورۃ مجادلۃ، آیت: ۱۱) اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا درجہ بلند کرتا ہے، آگے فرماتے ہیں وَالَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ دَرَجٰتٍ تو عالم بھی تو ایمان والے ہیں، ان کی تعریف تو ان میں شامل تھی لیکن وَالَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ میں ان کو الگ کیوں بیان کیا گیا؟ علامہ آلوسی سید محمود بغدادی فرماتے ہیں کہ سارے مومن کتنے ہی مبلغ ہو جائیں، کتنے ہی عابد ہو جائیں، اتنی کرامت ہو جائے کہ آسمانوں میں اڑنے لگیں لیکن وَالَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ یعنی علماء کے درجات کے مقابلہ میں نہیں آسکتے۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں علماء کو الگ بیان کر کے جتنی عزت بخشی ہے کسی اور کو ایسی عزت عطا نہیں فرمائی۔ اسی لیے بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ کوئی ایسی بات نہ کرو جس سے عوام کے دل میں علماء کی عظمت کم ہو۔ اگر عوام میں علماء کی عظمت نہ ہوگی تو بڑا فتنہ پیدا ہوگا۔ پھر نتیجہ کیا ہوگا کہ علماء کو بھی نفرت پیدا ہو جائے گی اور اس سے کیا ہوگا؟ دونوں کو نقصان پہنچے گا۔ علماء کو کم پہنچے گا عوام کو زیادہ پہنچے گا، علماء کو یہ کہ عوام کی خدمت کی سعادت نہیں ملے گی اور عوام علماء سے متنفر ہو کر بالکل ہی محروم ہو جائیں گے، نہ صحیح راستہ پر رہیں گے نہ حدود کا خیال کریں گے۔

علماء فرض کام میں لگے ہوئے ہیں

پس جو لوگ خود کو علماء سے دور رکھتے ہیں اور تبلیغی اجتماعات میں بہت

بڑا مجمع دیکھتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ ہمارے سوا کوئی ہے ہی نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ بنگلہ دیش میں مثلاً دس کروڑ مسلمان ہیں، اگر ان میں سے ایک کروڑ تبلیغ میں لگے ہیں تو نو کروڑ مسلمانوں کو کون دین پہنچائے گا؟ یہی علماء جو مساجد میں ائمہ ہیں، مدارس میں پڑھا رہے ہیں، خانقاہوں میں تزکیہ واصلاح کا کام کر رہے ہیں۔ اگر سارے ڈاکٹر بستر لے کر گاؤں گاؤں نکل جائیں اور بیمار لوگ ڈاکٹر کے پاس پہنچیں تو معلوم ہو کہ وہ گشتی شفاخانہ لے کر تین چلے لگانے گئے ہیں تو مریض کا کیا حال ہوگا، لہٰذا جس طرح ان ڈاکٹروں کی قدر کرتے ہو جو دوکان لیے شہروں میں بیٹھے ہیں اسی طرح ان علماء وحفاظ وقراء کو بھی عزت سے دیکھو جو شہر میں کام کر رہے ہیں، نورانی قاعدہ پڑھانے والے کی بھی عزت کرو، بخاری شریف پڑھانے والے کی بھی عزت کرو جو دین کے جس کام میں لگا ہوا ہے اس کو فریق مت بناؤ رفیق بناؤ، دین کا ہر شعبہ اہم ہے اور ہمارا ہے خواہ وہ تعلیم کا شعبہ ہو، تدریس کا شعبہ ہو یا تبلیغ کا شعبہ ہو لہٰذا یہ عنوان اختیار کرنا کہ صاحب ہم جیسوں سے جاپان میں اتنے لوگ مسلمان ہوگئے اور امریکہ میں اتنے مسلمان ہوگئے اور علماء سے کچھ کام نہیں ہو رہا ہے یہ عنوان دین میں تفرقہ ڈالنے والا ہے۔ ارے! علماء فرض میں لگے ہیں اور تم مستحب میں لگے ہو، تم علماء کے پیر کی خاک کے برابر بھی نہیں ہو سکتے، قیامت کے دن فیصلہ ہوگا تب پتا چلے گا۔

کفار کو اسلام پہنچانا مستحب عمل ہے اور دین کی حفاظت کرنا فرض ہے۔ جو قرآن پاک کی حفاظت کر رہا ہے، حدیث پاک کی حفاظت کر رہا ہے وہ فرض کام میں لگا ہوا ہے اور آپ بتائیں کہ جو فرض میں لگا ہوا ہے وہ اہم ہے یا جو نفل میں لگا ہوا ہے وہ اہم ہے؟ بادشاہ ائیر کنڈیشن میں بیٹھا ہوا دستخط کرتا ہے تو کیا اس کی عظمت کو وہ مزدور پا سکتا ہے جو ٹھیلہ کھینچ رہا ہے؟ لوگ کہتے ہیں

کہ صاحب ہم نے تو جنگلوں میں، دریاؤں میں پسینے گرائے ہیں اور مولوی لوگ پنکھوں کے نیچے بیٹھ کر بخاری پڑھا رہے ہیں تو مولانا لوگ ہمارے برابر کیسے ہو سکتے ہیں؟ اب پسینہ کی قیمت بھی سن لو! ہر شخص کے پسینہ کی قیمت اس کی عقل و فہم اور دین کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ کیا ساری امت کا پسینہ نبی کے ایک قطرہ پسینہ کے برابر ہو جائے گا؟ نبی کے ایک قطرۂ خون کے برابر کیا ساری امت کا خون ہو سکتا ہے؟ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس روشنائی سے علماء کتاب لکھتے ہیں وہ روشنائی قیامت کے دن شہیدوں کے خون کے برابر وزن ہوگی۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی صحت کی تصدیق کی ہے، علماء محدثین نے اس حدیث کی تصدیق کی ہے کہ یہ روایت بالکل صحیح ہے۔

میں نے یہ اس لیے عرض کر دیا تاکہ شیطان آپ کے دلوں میں وسوسہ نہ ڈالے کہ علماء تو حجروں میں بیٹھے ہوئے بخاری شریف پڑھا رہے ہیں اور تبلیغی جماعت والے جاپان میں اسلام پھیلا رہے ہیں لہٰذا تبلیغی جماعت کے عوام افضل ہیں علماء سے۔ اگر یہ خیال کیا تو گمراہ ہو جائیں گے کیونکہ فرض میں مشغول ہونے والے کو مستحب میں مشغول ہونے والے سے کمتر سمجھنا جہالت ہے۔ ہمارے علماء مدارس میں علماء تیار کر رہے ہیں، پھر تبلیغی احباب بھی اِنہی سے دین سیکھتے ہیں اور ماشاء اللہ دروازہ دروازہ پہنچاتے ہیں۔ شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ عالم تھے، انہوں نے جو کتابیں لکھیں تو تبلیغی احباب ان کے مال کو گلی گلی، کوچہ کوچہ، پہاڑوں کے دامن میں پہنچا رہے ہیں۔ ہم ان کے شکر گذار ہیں کہ ہمارا مال پہاڑوں تک پہنچ گیا، لیکن ٹھیلے والے کو چاہیے کہ فیکٹری کو حقیر نہ سمجھے، فیکٹریاں بند ہو جائیں گی تو تمہارے ٹھیلے پر ایک کپڑا، ایک مال بھی نظر نہیں آئے گا۔ تو علماء و مدارس دین کی فیکٹریاں ہیں۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے تبلیغ کا حکم ان الفاظ میں نازل کیا ہے:

﴿بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِکَ﴾

(سورۃ مائدۃ، آیت: ٦٧)

یعنی جو نازل کیا گیا ہے اُس کی تبلیغ کرو، اب اگر کسی کے پاس مَا اُنْزِلَ نہیں ہے تو وہ کیا تبلیغ کرے گا مَا اُنْزِلَ ہی کی تو تبلیغ کرنی ہے۔

ہر مسلمان پر دعوت الی اللہ فرض نہیں

تبلیغی جماعت جو یہ کہتی ہے کہ یہ کام نبیوں والا ہے تو بے شک لوگوں تک دین پہنچانا نبیوں والا کام ہے لیکن یہ کام ہر ایک پر فرضِ عین نہیں ہے وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّۃٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ میں مِنْ تبعیضیہ ہے، تمام جمہور کا اجماع ہے کہ جو دعوت الی اللہ کی صلاحیت رکھتے ہوں وہی بیان کریں، یہ نہیں کہ جو چاہے منبر پر کھڑا ہو کر اُوٹ پٹانگ مسئلے بیان کرے۔ اسی لیے مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تبلیغ والوں کو چھ نمبر میں محدود کیا تھا لیکن اب بعض نیا رنگ روٹ جوش میں آ کر چھ نمبر کو بھی توڑ دیتا ہے اور جو سامنے بیٹھا ہوتا ہے لاپرواہی سے اُسے لات بھی مارتا ہے، چاہے وہ کتنا ہی بڑا عالم ہو اور معافی بھی نہیں مانگتا۔ بس جوش میں کبھی آگے بڑھتا ہے اور کبھی پیچھے ہٹتا ہے، پاگل کی طرح تقریر کرتا ہے، یہ لات میں بھی کھا چکا ہوں اس لیے بیان کر رہا ہوں۔ ایک شخص واحد کالونی ناظم آباد میں بیان کے لیے کھڑا تھا، میں محض اس لیے اس کے بیان میں بیٹھ گیا کہ بھئی دعوت کے کام سے جوڑ رہے، اب جناب وہ آگے بڑھتا ہے تو مجھے ایک لات مارتا ہے پھر پیچھے ہٹتا ہے پھر آگے بڑھتا ہے اور ایک لات مارتا ہے، جوش میں بس تقریر کیے جا رہا ہے، اسی لیے نفس کو مٹانے اور مہذب کرنے کے لیے ایک زمانہ چاہیے۔

تو جو چیز میں بتانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اس عقیدہ کی اصلاح فرض ہے کہ نبیوں والا کام صرف تبلیغی جماعت کر رہی ہے حالانکہ خانقاہوں میں تزکیۂ نفس کا، مکاتبِ قرآن میں قرآن کے الفاظ کی حفاظت کا اور دارالعلوم و مدارسِ دینیہ میں قرآن وحدیث کی تفسیر وشرح کا جو کام ہورہا ہے یہ بھی نبیوں والا کام ہے اس لیے علماء کو اس بناء پر حقیر سمجھنا کہ یہ بستر اٹھا کر چلہ پر نہیں جاتے بالکل حرام ہے، جب ایک ادنیٰ مسلمان کو حقیر سمجھنے سے جنت میں داخلہ نہیں ملے گا تو علماء کو حقیر سمجھنا کیسے جائز ہوگا؟ حدیث شریف میں ہے:

﴿لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ کِبْرٍ﴾

(صحیح مسلم، ج: ۱، ص: ۶۵، باب تحریم الکبر وبیانه)

جس کے دل میں رائی کے برابر بڑائی ہوگی وہ جنت میں نہیں جائے گا اور حدیث شریف میں کبر کے دو جز بتائے گئے ہیں:

﴿بَطَرُ الْحَقِّ وَ غَمْطُ النَّاسِ﴾

(صحیح مسلم، ج: ۱، ص: ۶۵، باب تحریم الکبر وبیانه)

نمبر۱ حق کو قبول نہ کرنا، نمبر۲ انسانوں کو حقیر سمجھنا، الناس میں الف لام استغراق کا ہے یعنی کسی بھی انسان کو حقیر سمجھنا، اس لیے مسئلہ یہ ہے کسی کافر کو بھی حقیر سمجھنا جائز نہیں ہے، اس کے کفر سے تو نفرت ہو لیکن اس کی ذات کو حقیر سمجھنا جائز نہیں ہے کیونکہ بہرحال اس کے مسلمان ہونے کا امکان موجود ہے ؎

ہیچ کافر را بخواری منگرید
کہ مسلماں بودنش باشد امید

مولانا رومی فرماتے ہیں کہ کسی کافر کو حقارت کی نظر سے مت دیکھو کیونکہ اس کے مسلمان ہونے کا امکان ہے یا نہیں؟ ہوسکتا ہے کہ اسے مرتے وقت کلمہ نصیب ہوجائے اور آپ کے پاس کیا ضمانت ہے کہ آپ کو کلمہ نصیب ہوگا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی دعاءِ حسنِ خاتمہ

اللہ والے کیوں ساری زندگی حسنِ خاتمہ کے لیے روتے ہیں اور سوءِ خاتمہ سے پناہ مانگتے ہیں؟ کیوں حضرت یوسف علیہ السلام نے دعا کی:

﴿ تَوَفَّنِیۡ مُسۡلِمًا وَّ اَلۡحِقۡنِیۡ بِالصّٰلِحِیۡنَ ﴾

(سورۃ یوسف، آیت: ۱۰۱)

اے اللہ! مجھے حالتِ اسلام میں وفات دیجئے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ کسی نبی کا خاتمہ کفر پر ہو جائے؟ یہ ممکن نہیں ہے، ممتنع ہے، محال ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نبی اُسی کو بناتا ہے جو ساری زندگی باوفا رہے اور اِسی وفاداری میں اس کی روح قبض ہو ورنہ اللہ کے علم اور انتخاب پر اعتراض لازم آئے گا کہ ایسے شخص کو نبی بنادیا جس کا خاتمہ خراب ہو گیا نعوذ باللہ!

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سیدنا یوسف علیہ السلام نے یہ دعا تَوَفَّنِیۡ مُسۡلِمًا وَّ اَلۡحِقۡنِیۡ بِالصّٰلِحِیۡنَ یعنی اسلام پر وفات اور صالحین کے ساتھ الحاق کیوں مانگا؟ حکیم الامت بیان القرآن کے حاشیہ مسائل السلوک میں فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبیوں کے خوف کو بیان فرمایا ہے:

﴿فِیۡهِ خَوۡفُ الۡاَنۡبِیَآءِ مَعَ عِصۡمَتِهِمۡ وَامۡتِنَاعِ الۡکُفۡرِ عَلَیۡهِمۡ فَکَیۡفَ یَصِحُّ لِغَیۡرِهِمۡ اَنۡ یَّغۡتَرَّ بِصَلَاحِهٖ﴾

(بیانُ القرآن، ج: ۱)

اس آیت سے انبیاء کے خوف کا پتا چلتا ہے باوجود اس کے کہ وہ معصوم ہوتے ہیں اور ان پر کفر ممتنع ومحال ہے، کوئی نبی کافر نہیں ہوسکتا، ان سے ایک لمحہ کے لیے بھی کفر کا صدور نہیں ہوسکتا لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ سے مانگ رہے ہیں کہ اے خدا! ایمان پر خاتمہ نصیب فرمائیے، باوجود اس کے کہ ان کے لیے کفر محال

ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے مقبول بندوں کی یہ شان ہوتی ہے، ان میں اکڑفوں نہیں ہوتی اور وہ اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ بے خوف ہونے والا خطرناک آدمی ہے، غیر مقبول ہے، مقبولین کے راستہ سے، سپر ہائی وے اور شاہراہ سے ہٹا ہوا ہے، تو جب انبیاء یہ دعا مانگ رہے ہیں تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصَّالِحِیْنَ یعنی ہمیں اسلام پر موت دیجیے اور صالحین سے ملحق کردیجیے فَکَیْفَ یَصِحُّ لِغَیْرِهِمْ اَنْ یَّغْتَرَّ بِصَلَاحِهٖ تو غیر نبی کے لیے یہ کیسے جائز ہوگا کہ وہ اپنی نیکیوں سے دھوکہ میں پڑ جائے کہ میں بھی کچھ ہوں۔

دعوت الی اللہ کے لیے صلاحیت بھی شرط ہے

لہٰذا دعوت الی اللہ کے لیے اوّل تو صلاحیت ہونی چاہیے، وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ میں مِنْ تبعیضیہ ہے کہ تم میں سے بعض لوگ ایسے ہونے چاہئیں جو دعوت الی اللہ کا کام کریں، ہر امتی پر دعوت الی اللہ فرض نہیں ہے، یہ مسئلہ خوب سمجھ لیجئے کہ ہر امتی پر دعوت الی اللہ فرض نہیں ہے، مِنْ تبعیضیہ کا تقاضا ہے کہ جن میں صلاحیت ہو وہ تبلیغ کریں، اگر صلاحیت نہیں ہے تو حاصل کریں۔اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ نازل فرمایا کہ اے نبی! جو مَا اُنْزِلَ ہے یعنی جو آپ پر نازل کیا گیا ہے اس کی تبلیغ کیجیے۔پس جس کو پتا ہی نہیں کہ مَا اُنْزِلَ کیا ہے تو وہ کس بات کی تبلیغ کرے گا۔

مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عوام کو چھ نمبر میں محدود کردیا تھا تاکہ گمراہی کے سیلاب کا علاج ہدایت کے سیلاب سے ہوجائے، جس درجہ کا مرض ہوتا ہے اینٹی بائیوٹک بھی اُسی درجہ کی ہونی چاہیے۔حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہمارے ہی بزرگ ہیں، انہوں نے یہ طریقہ نکالا تھا

تاکہ عوام کو کچھ تو دین مل جائے یعنی فرسٹ ایڈ مل جائے لیکن اگر فرسٹ ایڈ والے بڑے بڑے اسپیشلسٹ کو حقیر سمجھنے لگیں کہ یہ کیا کام کررہے ہیں، کام تو ہم کررہے ہیں، اس لیے یہ بتانا چاہتا ہوں کہ بھئی! سب کچھ کرو مگر اکڑو مت اور کسی عالم کو تو کیا کسی مسلمان کو بھی حقیر مت سمجھو، یہاں تک کہ کسی کافر کو بھی حقیر سمجھنا جائز نہیں ہے، کیونکہ غَمطُ النَّاسِ میں کافر بھی شامل ہے، اس میں مؤمن کی قید نہیں ہے۔

اپنی نظر میں حقیر ہونا مطلوب ہے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں دنیا کے مسلمانوں سے کمتر اور بدتر ہوں فی الحال اور ساری دنیا کے جانوروں اور کافروں سے بدتر ہوں فی المآل کیونکہ اگر انجام کے اعتبار سے نعوذ باللہ میرا خاتمہ کفر پر ہوگیا تو جانور اور سؤر، کتے سب مجھ سے اچھے ہیں، ہاں اگر میرا خاتمہ ایمان پر ہوجائے تو بے شک پھر میں بہتر ہوں اور ابھی خاتمہ کا پتا نہیں لہٰذا ابھی اپنے کو کیسے بہتر سمجھوں؟ اس لیے دو جملے حضرت نے فرمائے کہ میں ساری دنیا کے مسلمانوں سے بدتر ہوں فی الحال کیونکہ اگرچہ کوئی مسلمان خواہ شرابی اور زانی ہو لیکن ممکن ہے کہ اس کا کوئی نیک عمل قبول ہوجائے یا صرف ایمان کی بدولت اللہ تعالیٰ اس کی ساری برائیوں کو معاف کردے اور ہماری تمام نیکیوں اور دینی کارناموں کے باوجود کوئی عمل ایسا ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوکر ہماری تمام نیکیوں کو مٹادے اس لیے میں تمام مسلمانوں سے اپنے کو کمتر سمجھتا ہوں فی الحال اور کافروں سے اور جانوروں سے کمتر سمجھتا ہوں فی المآل اور فرمایا کہ اگر کسی کا گناہ نظر آجائے تو اس کے عیب کو زُکام سمجھو اور اپنے عیب کو سمجھو کہ کوڑھ ہے، کبھی کسی کوڑھی کو زُکامی پر ہنستے ہوئے نہیں پاؤ گے۔ حضرت کے

اس ملفوظ کو میں نے نظم کر دیا کہ ؎

نامناسب ہے اے دلِ ناداں
اِک زُکامی ہنسے جذامی پر

اپنے گناہ کو پھانسی کا کیس سمجھے اور دوسرے کے گناہ کو میونسپلٹی کا چالان سمجھے کہ سو دو سو روپے دے کر چھوٹ جائے گا، تو اللہ والوں کی یہ شان ہوتی ہے کہ اپنے عیوب کے سامنے دوسروں کے عیب نظر نہیں آتے۔ حضرت ابوذر غِفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اے ابوذر! تم اپنے عیوب کا اتنا مطالعہ کرو کہ دوسروں کے عیوب سے تمہاری آنکھیں بند ہو جائیں۔ یہی تزکیۂ نفس ہے جو بعثتِ نبوت کے مقاصد میں ایک اہم مقصد ہے۔

قرآنِ پاک کی رُو سے نبیوں والے کام

میں نے علماء جامعہ اشرفیہ لاہور کے سامنے قرآن پاک کی روشنی میں بعثتِ نبوی کے تین مقاصد بیان کیے تھے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں نازل فرمائے۔ اب نبیوں والے تین کام سنئے! حضرت ابراہیم علیہ السلام دعا فرما رہے ہیں:

﴿رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَ الۡحِكۡمَةَ وَ يُزَكِّيۡهِمۡ﴾

(سورۃ بقرۃ، آیت: ۱۲۹)

اے اللہ! ایسا نبی بھیجئے جو امت پر آپ کی آیات کی تلاوت کرے یعنی صحابہ پر قرآن پاک کی آیتوں کی تلاوت کرے جس کی تفسیر ہے اَیۡ یُفَهِّمُهُمۡ اَلۡفَاظَهٗ وَ یُبَیِّنُ لَهُمۡ کَیۡفِیَّةَ اَدَاءِهٖ یعنی نبی علیہ السلام قرآن پاک کے الفاظ اور ان کی کیفیتِ ادا سکھائیں۔ پس تلاوت کے لیے جتنے مدارس اور مکاتب ہیں، جہاں قرآن پاک

پڑھایا جارہا ہے، جہاں حافظ بنایا جارہا ہے یہ سب نبیوں کے اسی مقصدِ بعثتِ نبوت کوانجام دے رہے ہیں لہٰذا مدرسوں کی تحقیر کرنا گویا مقصدِ نبوّت **یَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ** کی توہین کرنا ہے اوراس میں اندیشۂ کفر ہے،اس کے بارے میں عقیدہ صحیح کرلیں۔تواس آیت سے مدارس اورمکاتب کا وجود ثابت ہوگیا۔

قرآن کا ترجمہ محض لغت سے کرنا عظیم گمراہی ہے

آگے بعثتِ نبوی کا دوسرا مقصد بیان ہورہا ہے **وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ** اوراے اللہ! آپ کے پیغمبر اپنی امت کو کتاب اللہ اور حکمت کی تعلیم دیں جس کی برکت سے دارالعلوم قائم ہوگئے اور کتاب اللہ کی ان کو کس طرح تعلیم دیں؟ **يُفَهِّمُهُمْ اَلْفَاظَهُ** جس لفظ کے جو معنیٰ اللہ تعالیٰ نے نبی کو سکھائے وہ معنیٰ نبی صحابہ کو سکھائیں تاکہ محض لغت سے ترجمہ کرکے غلطی میں نہ مبتلاء ہوجائیں چنانچہ **يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا** (الاحزاب) کے بعد **يُصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ** (الاحزاب) کا لغت سے اگر ترجمہ ہوگا تو یہ ہوگا کہ اللہ تمہارے اعمال کی اصلاح کردیں گے،مگر صحابہ کہتے ہیں کہ یہ ترجمہ ہمیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہیں سکھایا بلکہ اس کا ترجمہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں یہ سکھایا:

﴿**يَتَقَبَّلُ حَسَنَاتِكُمْ**﴾

(المرقاۃ، ج:٦، ص:١٠٣، باب اعلان النکاح)

یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری نیکیوں کو قبول فرمائیں گے،کہاں **اَصْلَحَ يُصْلِحُ** بابِ اِفعال اورکہاں **تَقَبَّلَ يَتَقَبَّلُ** بابِ تفعل، معنیٰ کتنے بدل گئے،اس لیے محض لغت سے ترجمہ کرنا حرام ہے اوراس میں بہت ہی سخت بدعقیدگی کا خطرہ ہے لہٰذا جو ترجمہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بتایا ہے جس کو صحابہ نے نقل کیا اور

صحابہ سے مفسرین نے نقل کیا وہی سب سے مستند ہے، اسی آیت کے ترجمہ میں دیکھ لیں کہ اس کے معنیٰ کتنے بدل گئے ہیں، عربی گرامر سے **یُصْلِحْ لَکُمْ** کا کیا ترجمہ کرو گے؟ کہ اللہ ہمارے اعمال کی اصلاح کر دے گا حالانکہ صحابہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس کے معنیٰ ہیں **یَتَقَبَّلُ حَسَنَاتِکُمْ** تمہاری نیکیوں کو اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں گے۔ اِسی طرح:

﴿وَالنَّجْمُ وَ الشَّجَرُ یَسْجُدَانِ﴾

(سورۃ رحمٰن، آیت: ٦)

کے کیا معنیٰ ہیں؟ عام لغت میں **نَـجْـم** کے معنیٰ ستارہ کے آتے ہیں تو اس کا ترجمہ لغت سے جو کرے گا وہ یہ کرے گا کہ ستارے اور درخت خدا کو سجدہ کرتے ہیں حالانکہ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے **نَجْم** کے جو معنیٰ بتائے ہیں اور جس کو صحابہ نے نقل کیا کہ یہاں **نَجْم** کے معنیٰ ستارہ نہیں ہے بلکہ **نَجْم** اُس پودے کو کہتے ہیں جو زمین پر لیٹے ہوتے ہیں اور زمین پر پھیلتے ہیں جن کے ساق یعنی پنڈلی نہیں ہوتی، تنا نہیں ہوتا، بے تنے کے درخت کو نجم کہتے ہیں یعنی **نَبَاتُ الَّذِیْ لَیْسَ لَهٗ سَاقٌ** (تفسیر روح المعانی. ج:۲۷، ص:۱۰۰) یعنی وہ پودے جن کا تنا نہ ہو۔ **وَالشَّجَرُ نَبَاتُ الَّذِیْ لَهٗ سَاقٌ** (تفسیر روح المعانی، ج:۲۷، ص:۱۰۰) اور شجر سے مراد وہ پودے ہیں جن پر تنا ہو، ساق ہو، پنڈلی ہو، ساق معنیٰ پنڈلی ہیں یعنی تنے دار درخت اور بے تنا پودے دونوں اللہ کو سجدہ کرتے ہیں۔

نباتات کے سجدہ کرنے سے کیا مراد ہے؟

اور یہاں سجدہ سے کیا مراد ہے؟ کوئی سائنس داں اعتراض کر سکتا ہے کہ ہمیں دکھاؤ کہ پودے اور درخت کہاں سجدہ کرتے ہیں تو علامہ آلوسی

رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جمہور صحابہ نے سجدہ کرنے کے معنیٰ یہ بیان کیے ہیں
اَلْمُرَادُ بِسُجُوْدِ هِمَا اِنْقِيَادُهُمَا لَهُ تَعَالىٰ (تفسیر روح المعانی. ج:۲۷)
یعنی سجدوں سے مراد ان کا اللہ کے احکام کا انقیاد و فرماں برداری ہے کہ سیب کا درخت سیب ہی پیدا کرے گا، انگور نہیں پیدا کرسکتا، آم کے درخت سے کیلا نہیں پیدا ہوسکتا، جن درختوں کو اللہ نے جن مقاصد وثمرات کے لیے پیدا کیا ہے وہ اسی کے لیے مسخر ہیں تو یہاں سجدہ سے مراد ان کا مسخر ہونا ہے، سجدہ سے مراد اطاعتِ کاملہ ہے، یہ تفسیر مفسرین نے لکھی ہے، اب جن کو ان کتابوں کا مطالعہ نصیب نہیں اور وہ اردو کی چند کتابوں کا مطالعہ کر کے مفسر بن جاتے ہیں وہ ان اعلیٰ علوم کو کیا جانیں، جیسے ایک نالائق شخص کہتا تھا کہ لغت کی مدد سے ہر پروفیسر مفسر ہوسکتا ہے، بتائیے! کس قدر گمراہی کی بات ہے، یہ شخص لوگوں کو عظیم گمراہی میں مبتلاء کر گیا۔

تو مفسرین نے یُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ کا ترجمہ کیا ہے:

﴿اَیْ یُفَهِّمُهُمْ اَلْفَاظَ الْكِتَابِ وَيُبَيِّنُ لَهُمْ كَيْفِيَّةَ اَدَائِهٖ﴾

یعنی پیغمبر علیہ السلام قرآن پاک کے الفاظ بھی سمجھاتے ہیں اور کیفیتِ ادا بھی سمجھاتے ہیں، اس سے بعثتِ نبوت کے مقاصد میں تجوید کے مدارس بھی شامل ہوگئے اور وہ مکتب بھی شامل ہوگئے جہاں قرآنِ پاک کی قراءت والفاظ کی صحت کی ادائیگی سکھائی جاتی ہے اور دار العلوم بھی شامل ہوگئے جہاں کتاب اللہ کا مفہوم اور حکمت سکھائی جاتی ہے۔ کتاب اللہ کی تعلیم کے ساتھ حکمت ضروری ہے۔

حکمت کی تعریف

اس لیے اس کے بعد فرمایا وَ الْحِكْمَةَ کہ آپ کا وہ پیغمبر حکمت بھی

بیان کرے اور حکمت کی پانچ تفسیریں ہیں **نمبر ۱**:

﴿اَلْمُرَادُ بِالْحِکْمَۃِ حَقَائِقُ الْکِتَابِ وَدَقَائِقُہٗ﴾

کتابُ اللہ کے حقائق اور باریکیاں بیان کرے، **نمبر ۲**:

﴿اَلْفِقْہُ فِی الدِّیْنِ﴾

دین کی سمجھ پیدا کرے، **نمبر ۳**:

﴿اَلسُّنَّۃُ الْمُبَیِّنَۃُ لِلْکِتَابِ اَیْ طَرِیْقُ السُّنَّۃِ﴾

طریق السنۃ یعنی سنت کا راستہ بتائے، یہ سب حکمت پر مبنی ہے جیسے وضو کے بعد کی دعا:

﴿اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَھِّرِیْنَ﴾

(سنن الترمذی، ج: ۱، ص۱۸، باب مایقال بعد الوضوء)

سِکھائی گئی جس میں حکمت یہ ہے کہ بندہ گویا بزبانِ حال کہہ رہا ہے کہ یا اللہ! میں نے ہاتھ پیر تو دھو لیے، غسلِ اعضاءِ ظاہرہ تو ہوگیا لیکن دل کی طہارت کے بغیر صحیح طہارت حاصل نہیں ہوگی اور دل تک میرا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا لہٰذا میرے دل کو آپ دھو دیجیے اور غیر اللہ کی نجاست سے پاک فرما دیجیے۔ اسی لیے سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وَاجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ میں سِکھا دیا کہ اے اللہ! ہمیں توبہ کرنے والے نادمین میں شامل فرما اور یہی دل کا دھونا ہے کیونکہ اَلتَّوْبَۃُ ھِیَ النَّدَامَۃُ توبہ حقیقت میں ندامت کا نام ہے، اگر ایک شخص گناہ کر کے نادم ہوگیا، اُسی وقت اس کا ہارٹ فیل ہوگیا اور توبہ کا لفظ نہیں کہا تو قیامت کے دن وہ تائبین میں سے اُٹھایا جائے گا اگرچہ لفظ توبہ اُس کے منہ سے نہیں نکلا مگر اُس کے وجود میں حقیقتِ توبہ کا تحقق ہوگیا جس کا نام ندامت ہے۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں:

﴿اَلطَّهَارَۃُ الْکَامِلَۃُ طَھَارَۃُ الْاَسْرَارِ مِنْ دَنَسِ الْاَغْیَارِ﴾

(تفسیر روح المعانی، ج: ۱۱، ص: ۲۶)

طہارتِ کاملہ سے مراد یہ ہے کہ قلب غیر اللہ سے پاک ہو جائے۔

لہٰذا طَرِیْقُ السُّنَّۃِ سنت کا راستہ، سنت کی دعائیں یہ سب حکمت پر مبنی ہیں جیسے بیت الخلاء سے نکلنے کی دعا:

﴿غُفْرَانَکَ- اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْٓ اَذْھَبَ عَنِّی الْاَذٰی وَ عَافَانِیْ﴾

(سنن ابن ماجۃ، باب مایقول اذا خرج من الخلاء، ص: ۲۶)

میں غُفْرَانَکَ کیوں ہے؟ پیغمبر بھی استنجاء کرتا ہے، ولی اللہ بھی استنجاء کرتا ہے لیکن بیت الخلاء سے نکلنے کے بعد نبی بھی غُفْرَانَکَ پڑھتا ہے اور ولی بھی پڑھتا ہے تو معافی کس چیز کی مانگتا ہے؟ جبکہ بیت الخلاء جانا کوئی گناہ کا کام نہیں ہے۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ معافی اِس چیز کی ہے کہ اتنی دیر تک ہماری زبان ذکر اللہ سے محروم تھی، اگرچہ ہم معذور تھے مگر عشق کی شان یہ ہے کہ جہاں معذور ہو وہاں بھی معافی مانگ لے ؎

ممنونِ سزا ہوں میری ناکردہ خطائیں

نماز کے بعد سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تین بار اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ پڑھتے تھے تو کیا نماز کوئی گناہ ہے؟ پھر استغفار کیوں فرمایا؟ اس کی شرح مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے کہ نماز میں جو کوتاہیاں ہوگئیں یہ استغفار ان کی معافی ہے کہ اے اللہ! مجھ سے آپ کی عظمت کا حق ادا نہیں ہوا۔ اسی لیے مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ دعا فرماتے تھے کہ اے اللہ! ہم سے آپ کی شان کے مطابق نماز ادا نہیں ہوسکی لیکن آپ اس کی قبولیت اپنے شایانِ شان فرمادیجیے۔

حکمت کی چوتھی تفسیر ہے:

﴿مَا تَکْمُلُ بِہِ النُّفُوْسُ مِنَ الْمَعَارِفِ وَالْاَحْکَامِ﴾

یعنی وہ پیغمبر احکام و معارف بیان کرے جس سے نفوسِ انسانیت کی تکمیل ہو، جس سے انسان کامل ہوجائے اور حکمت کی پانچویں تفسیر ہے:

﴿وَضْعُ الْاَشْیَآءِ مَوَاضِعَهَا﴾

(تفسیر روح المعانی، ج: ۱، ص: ۳۸۷)

ہر چیز کو اس کے محل میں رکھنا، جو اعضاء جس کام کے لیے بنائے گئے ہیں ان اعضاء کو اسی کام میں استعمال کرو۔

تو نبوت کے مقاصد میں سے ایک مقصد مکاتب کا قیام ہے جہاں قرآنِ پاک کی قراءت مع الصحت سکھائی جائے اور دوسرا مقصد دارالعلوم اور مدارسِ دینیہ کا قیام ہے جہاں کتاب اللہ کی تفسیر پڑھائی جائے اور وہ معانی بیان کیے جائیں جو سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کو سِکھائے، اگر ایسا نہ ہوتا تو ضلالت و گمراہی کے مچھر، کھٹمل سب اس میں گھس جاتے، آج انہی علماء کی برکت سے قرآن پاک کے الفاظ و معانی کی حفاظت ہورہی ہے۔ بعثتِ نبوت کے مقاصد میں تعلیمِ کتاب کے ساتھ حکمت کی تعلیم دینا بھی ہے یعنی ایسے علوم و معارف بیان کرنا جن سے انسانیت کی تکمیل ہو، اللہ تعالیٰ کی محبت میں اضافہ ہو۔

تو قرآنِ پاک کے مکاتب بھی نبیوں والا کام کررہے ہیں جہاں قراءت و تجوید سکھائی جاتی ہے، دارالعلوم بھی نبیوں والا کام کررہے ہیں جہاں قرآن پاک کی تفسیر بیان کی جاتی ہے، جہاں اللہ والے علماء تفسیر و معانی میں غوطہ لگا کر بحرِ معرفت کے بڑے بڑے علوم و معارف بیان کرتے ہیں جسے حکمت کہتے ہیں اور یہ حکمت اہل اللہ کو نصیب ہوتی ہے جو اللہ اللہ کرتے ہیں۔ وارِد اُنہی کو ہوتا ہے جن کا وِرد ہوتا ہے مَنْ لَّا وِرْدَ لَهٗ لَا وَارِدَ لَهٗ جس کے اَوراد و وظائف کچھ نہیں ہوتے اُس کو وارِد و اِلہام بھی نہیں ہوتا، اس کے دل میں آسمان سے

علوم نہیں آسکتے، وہ کتابوں سے تو بیان کرسکتا ہے لیکن اس کا علم ایسا ہی ہوگا کہ جتنا پکاؤ اتنا کھاؤ، جتنی کتاب دیکھی اتنا ہی بیان کردیا۔ حضرت شاہ عبدالغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ علماء ظاہر کا علم ایسا ہے جیسے ٹینکر بُلا کر ٹنکی بھر لی، جب پانی ختم ہوگیا تو پھر ٹینکر ڈلوالیا اور اللہ والوں کا علم ایسا ہوتا ہے جیسے زمین سے پانی کا سوتا نکل آئے اور ہر وقت پانی جاری رہے تو اللہ والوں کے علم کا پانی ہر وقت جاری رہتا ہے، کبھی ختم نہیں ہوتا، ان کی ساری کتابیں چھین لو اور ان سے کئی سال تک بیان نہ کراؤ لیکن جب بھی بیان کریں گے تو ان شاءاللہ تعالیٰ ان کا ہر بیان ایک نیا بیان ہوگا کیونکہ وہ آسمان سے نازل ہوتا ہے۔ میرا ایک شعر ہے جو خود مجھے بہت پسند ہے ؎

میرے پینے کو دوستو سن لو
آسمانوں سے مے اُترتی ہے

اللہ تعالیٰ ان پر آسمان سے علوم و معارف کے خزانے برساتا ہے ؎

آفتابِ عاشقاں تابندہ باد
بوستانِ عاشقاں پائندہ باد

یہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کی دعا ہے کہ اے خدا! تیرے عاشقوں کے دل کا باغ ہمیشہ ہرا بھرا رہے اور تیرے عاشقوں کا آفتاب ہمیشہ چمکتا رہے۔

تو نبیوں کی بعثت کے دو مقاصد بتادیئے، اب آگے آرہا ہے وَ یُزَکِّیۡهِمۡ یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نفس کا تزکیہ کرتے ہیں، یہی تزکیۂ نفس ہے اور تزکیۂ نفس کا شعبہ بھی مقاصدِ بعثتِ نبوت میں سے ہے۔ یہ بھی نبیوں والا کام ہے۔

تزکیۂ نفس کے مدرسے کہاں ہیں؟

نفس کے تزکیہ کے مدرسے کہاں ہیں؟ وہ اللہ والوں کی خانقاہیں

ہیں۔ بعثتِ نبوت کے یہ مقاصد اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں بیان فرمائے، قیامت تک جس کی تعمیل کے لیے قرآنِ پاک کے مدرسے، دارالعلوم اور اہل اللہ کی خانقاہیں قائم ہیں۔ جامعہ اشرفیہ لاہور میں جب میں نے یہ مقاصد بیان کیے تو وہاں اُس وقت ایک ایسی جماعت جو تصوف کی قائل نہیں اس کے بڑے لیڈر بھی موجود تھے، وہ پھڑک گئے اور انہوں نے نائب مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور سے کہا کہ صاحب ان مولانا نے تو آج مجھ کو چاروں شانے چت کر دیا، تصوف کا قائل کر دیا کیونکہ تزکیۂ نفس کو قرآن سے ثابت کر دیا، انہوں نے کہا کہ آج یہ بات سمجھ میں آگئی کہ ہمارے ہاں شعبۂ تزکیۂ نفس نہیں ہے اور یہ شخص صحیح کہتا ہے، واقعی ہمارے اندر یہ کمزوریاں ہیں کہ ہم اپنی اصلاح کے لیے کسی اللہ والے کے پاس نہیں جاتے بلکہ ان کی حقارت کے ڈھنڈورے پیٹتے ہیں اور اللہ والوں کو حقیر سمجھتے ہیں، جب مجھے یہ بات معلوم ہوئی تو میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا، الحمدللہ!

حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب ابھی لاہور تشریف لے گئے تھے تو مفتی محمد حسن امرتسری کے صاحبزادہ حضرت کے سامنے کہنے لگے کہ حضرت ہمارے جامعہ اشرفیہ کے اجتماع میں اختر کا بیان کرایا گیا اور ان کے بیان میں اللہ تعالیٰ نے ایسا اثر ڈالا کہ ایک ایسی جماعت جو تصوف کو نہیں مانتی اس کے بڑے جو اس میں شریک ہوئے تھے وہ بھی تصوف کے قائل ہوگئے اور انہوں نے اعتراف کیا کہ واقعی تزکیۂ نفس کا شعبہ ہمارے یہاں بالکل نہیں ہے اور کہنے لگے کہ حضرت ان کے بیان نے تو جادو کر دیا تو میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

میرے شیخ کے کان میں کوئی اچھی بات ڈال دیتا ہے تو میں اس لیے خوش ہوتا ہوں کہ ایک اللہ والا مجھ سے خوش ہو جائے، اس کو بھی اللہ کی نعمت سمجھتا ہوں۔ اس لیے میں ہمیشہ کوشش کرتا ہوں کہ اپنے بزرگوں کے سامنے اپنے

دوستوں کی ہمیشہ بھلائی پیش کروں۔ اگر کہیں کمزوری دیکھ لیتا ہوں تو خود دعا کرتا ہوں مگر شیخ سے نہیں کہتا کیونکہ شکایت کر کے اللہ والوں کے دل کو کسی سے دور کرنا یہ بہت بڑا جرم ہے۔ اس سے بہتر یہ ہے کہ ہم اس سے چشم پوشی کرلیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرلیں۔ یہ ہمیشہ سے میرا اصول ہے اور یہ میں نے سیکھا حضرت شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک خادم خاص جنہوں نے حکیم الامت کے ساتھ حج بھی کیا تھا حکیم الامت سے اللہ والوں کی شکایت کیا کرتے تھے۔ وہ آخر میں پاگل ہوگئے۔ پھر نماز بھی نہیں پڑھتے تھے۔ کعبہ کا طواف، روضۂ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر حاضری، منیٰ، مزدلفہ، عرفات کا قیام اتنے بڑے مجدد کے ساتھ کیا، میں نے حضرت سے سوال کیا کہ اس نے حکیم الامت کی اتنی بڑی صحبت اٹھائی اور یہ شخص پاگل ہوگیا مسجد میں نماز بھی نہیں پڑھتا یہ اتنا بڑا وبال کیوں ہے؟ تو حضرت نے فرمایا دو وجہ ہے۔ ایک یہ کہ انہوں نے ماں باپ کو بہت ستایا۔ دوسرے یہ کہ خانقاہ میں اللہ والوں کی کوئی کمزوری دیکھتا تو حضرت حکیم الامت سے شکایت کرتا اور اللہ والوں کا دل دُکھایا کرتا تھا۔ تب سے میں نے یہ سبق حاصل کیا کہ میں اپنے شیخ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب سے کسی کے بارے میں اچھی بات کہتا ہوں شکایت نہیں کرتا اور یہ عین سنت ہے، یہ مزاجِ نبوت ہے۔

سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ تمہارے اندر سلیم الصدر رہوں، میرا سینہ صاف رہے، تاکہ سب کے ساتھ محبت سے ملوں لہٰذا میں بھی نہیں پسند کرتا کہ میرے کان میں کوئی شخص کسی کی شکایت کرے، کوئی بھلی بات کہہ کر میری محبت بڑھاؤ، میرے بھائیوں سے میری محبت کو بڑھاؤ، اپنے احباب کی تعریف سے میرا دل خوش ہوجاتا ہے۔ کمزوری کس میں نہیں ہے، جو شکایت کرتا ہے وہ خود کمزوریوں کا شکار ہے۔ بس دوسروں کا عیب اگر نظر

آجائے تو آنکھیں بند کرلو اور اللہ سے دعا کرو۔

تزکیۂ نفس کی مثال

ہمارے شیخ شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جس شیشی میں عطر رکھتے ہو پہلے اس کو صاف کر کے پھر اس میں عطر ڈالتے ہو، اگر اس شیشی میں پیشاب ہو تو گندی شیشی میں عطر نہیں رکھتے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے تزکیۂ نفس کو ضروری قرار دیا ہے کہ میرے پیغمبر کے علوم اُنہی کو مفید ہو سکتے ہیں جن کے نفوس کا تزکیہ ہو گیا ہو، اگر حُبِّ دنیا، مال کی حرص، حسینوں کا عشق، دنیا کی رنگینیاں اور خباثتیں دل کی شیشی میں ہوں گی تو علوم و معرفت کا عطر اس میں جا کر بے معنیٰ ہو جائے گا، جتنا زیادہ دل صاف اور پاکیزہ ہو گا اتنا ہی زیادہ اس کو علومِ نبوت سے کیف ملے گا۔ بھئی عطر کے لیے شیشی دھوتے ہو یا نہیں؟ تو کیا علمِ دین عطر نہیں ہے؟ پھر دل کی گندی شیشی میں اللہ تعالیٰ پاکیزہ علوم کا عطر کیسے ڈالیں گے؟ مولانا رومی نے فرمایا۔

آں زُجاجے کو ندارد نورِ جاں
بولِ قارورہ است قندیلش مخواں

جو شیشۂ دل نورِ جان یعنی اللہ کا نور نہیں رکھتا وہ قارورہ کی شیشی ہے، اس کو قندیل مت کہو، اس میں دنیا کی خباثت بھری ہوئی ہے۔

تزکیۂ نفس کی تعریف

اب تزکیۂ نفس کی تعریف بھی سن لیجئے، تزکیۂ نفس کی تین تعریف ہیں، پہلی تعریف ہے:

﴿يُطَهِّرُ قُلُوْبَهُمْ عَنِ الْعَقَائِدِ الْبَاطِلَةِ وَ عَنِ الْاِشْتِغَالِ بِغَيْرِ اللهِ﴾

ہمارے پیغمبر صحابہ کے دلوں کو برے عقیدوں سے پاک کرتے ہیں اور قلب کو غیر اللہ میں مشغول ہونے سے بچاتے ہیں لہٰذا خانقاہ میں رہ کر جو غیر اللہ سے اپنے دل کو پاک نہیں کرتا وہ حقیقتِ تزکیۂ نفس سے محروم رہتا ہے اگر چہ جامع ملفوظات ہو، اگر چہ مقرر ہو، اگر چہ خوب مقبول بین الخلائق ہو جائے لیکن وہ تزکیہ کی حقیقت سے بے خبر ہے کیونکہ تزکیہ کی تعریف یہ ہو رہی ہے **یُطَهِّرُ قُلُوْبَهُمْ عَنِ الْعَقَائِدِ الْبَاطِلَةِ** الخ دل باطل عقیدوں سے پاک ہو اور غیر اللہ میں مشغول نہ ہو، اللہ کی محبت میں قلب کو ایسا مست کر دے کہ غیر اللہ کی طرف دل جائے ہی نہیں۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ کچھ دن کے بعد جب اللہ کی نسبت عطا ہوگی تو رُسوخِ نسبت کے بعد ساری دنیا آپ کی نگاہوں سے گر جائے گی، چاہے لیلائے کائنات ہو، چاہے آفتابِ کائنات ہو، چاہے ماہتابِ کائنات ہو، دیکھئے خواجہ صاحب نے کتنا پیارا شعر فرمایا ؎

یہ کون آیا کہ دھیمی پڑ گئی لو شمعِ محفل کی
پتنگوں کے عوض اُڑنے لگیں چنگاریاں دِل کی

جس دل میں اللہ ہوتا ہے، جس دل میں مولائے کائنات ہوتا ہے لیلائے کائنات سے اس کو مناسبت نہیں ہوسکتی چاہے اس کا جسم کتنا ہی رنگین ہو لیکن اس کے پیشاب پاخانے کی گندگی اس کو مستحضر ہوگی کہ یہ گوموت کا مجموعہ ہے اور اس کا قبرستان میں جانا اس کو مستحضر ہوگا، ساری کائنات چاہے اُزبکستان ہی کیوں نہ ہو وہ بھی اس کو قبرستان نظر آئے گا، اُزبکستان کا قافیہ قبرستان سے ملا رہا ہوں، آج کل بہت سے لوگ اُزبکستان جانے کے لیے سوچ رہے ہیں کہ چل کر وہاں کی پریوں کو دیکھا جائے حالانکہ وہ سب قبرستان جانے والی ہیں یا نہیں؟ لہٰذا اللہ کو چھوڑ کر کہاں جاتے ہو؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً﴾

(سورۃ نحل، آیت:۹۷)

کہ بالطف حیات تو میری فرماں برداری میں ہے جبکہ تم بالطف حیات اِعْرَاض عَنِ الذِّكْرِ میں تلاش کرتے ہو، میری یاد سے غفلت اور نافرمانی میں تلاش کرتے ہو حالانکہ خالقِ زندگی کا اعلان ہے:

﴿وَ مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكاً﴾

(سورۃ طٰہٰ، آیت:۱۲۴)

میں اپنے نافرمانوں کو تلخ زندگی دیتا ہوں، جو شخص اس کے خلاف عقیدہ رکھتا ہے وہ تنہائی میں بیٹھ کر اپنے ایمان کو ٹٹولے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہماری نافرمانی میں تم کہاں لُطفِ زندگی تلاش کرتے ہو؟ نافرمانی سے تمہاری زندگی تلخ کردی جائے گی۔ مولانا اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا شعر ہے جو مظاہر العلوم سہارنپور میں محدّث تھے ؎

عشقِ بتاں میں اسعد کرتے ہو فکرِ راحت
دوزخ میں ڈھونڈتے ہو جنت کی خوابگاہیں

یہ شعر کیا ہے پورا وعظ ہے۔ دیکھو قرآن پاک کی روشنی میں تزکیۂ نفس کا ایک شعبہ قائم ہوگیا جس کا نام ہے طہارتِ قلوب عقائدِ باطلہ سے اور غیر اللہ میں مشغول ہونے سے۔ تزکیۂ نفس کی دوسری تعریف ہے:

﴿وَيُطَهِّرُ نُفُوْسَهُمْ عَنِ الْاَخْلَاقِ الرَّذِيْلَةِ﴾

اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحابہ کے نفوس کو پاک کرتے ہیں برے برے اخلاق سے مثلاً بدنظری، عشق بازی، کینہ، بخل، تکبر اور ریا جیسے تمام اخلاقِ رذیلہ سے آپ صحابہ کے قلوب کو پاک کرتے ہیں۔ اور تزکیۂ نفس کی تیسری تعریف ہے:

﴿وَيُطَهِّرُ اَبْدَانَهُمْ عَنِ الْاَنْجَاسِ وَ الْاَعْمَالِ الْقَبِيْحَةِ﴾

یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحابہ کے جسم کو نجاستوں سے اور برے اعمال سے پاک رکھنے کی تعلیم دیتے ہیں۔

شیخِ کامل کے بغیر اصلاح نہیں ہوتی

تو نبیوں والے کام آپ لوگوں نے سن لیے چنانچہ جو یہ کہے کہ بس نبیوں والا کام یہی ہے اور سارے علماء مدارس میں بیٹھے وقت ضائع کررہے ہیں تو سمجھ لو کہ اس کا ایمان خطرہ میں ہے، کیا مدارس میں علماء، خانقاہوں میں مشائخ اور اللہ والے یہ سب بالکل کنڈم ہیں؟ تمہارے نزدیک ناقابلِ ریفرنڈم ہیں؟ جب کسی فاسق، فاجر کو حقیر سمجھنا حرام ہے اور جنت سے محروم کردیتا ہے تو علماء کی حقارت اور ان پر تبصرے اور اہل اللہ اور اہلِ حق کی خانقاہوں پر تبصرے کرنا کیا موجبِ غضبِ الٰہی نہ ہوگا؟

شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ لاکھوں چلّے لگا لو لیکن اصلاح نہیں ہوسکتی جب تک کسی شیخِ کامل سے تعلق نہیں ہوگا، جب تک کسی شیخِ کامل کے ساتھ نہیں رہو گے لیکن شیخِ کامل کے ساتھ رہنا تب ممکن ہے جب طلب ہو، یہ تو آخری اسٹیج ہے لہٰذا تبلیغ کا کام فرسٹ اسٹیج ہے تاکہ لوگوں میں دین کی طلب پیدا ہوجائے۔ اُمت بالکل بگڑی ہوئی تھی، گمراہی کا سیلاب تھا اور سیلاب کا مقابلہ سیلاب ہی سے کیا جاسکتا ہے لہٰذا حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دین کا ذوق اور طلب پیدا کرنے کے لیے آسان چھ نمبر بنادیئے اور فرمایا کہ اپنے گھروں سے نکلو تاکہ دنیا کے گناہ آلود ماحول سے نکل کر اصلاح ہوجائے لہٰذا پہلے اس کا نام اصلاحی جماعت تھا، پوچھ لو تبلیغ کے پرانے دوستوں سے، بعد میں لوگوں نے تبلیغی جماعت رکھ دیا، مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تبلیغی جماعت نام نہیں

رکھا تھا بلکہ اصلاحی جماعت نام رکھا تھا یعنی اپنے نفس کی اصلاح کے لیے نکلنے والے اور جو پرانے لوگ ہیں وہ اب بھی یہی ادب سِکھاتے ہیں کہ جب نکلو تو تبلیغ کی نیت مت کرو، یہ نیت کرو کہ ہماری اصلاح ہو جائے۔

حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ جس بستی میں کوئی اللہ والا ہو یا علماءِ دین ہوں ان کو دعوت بھی مت دو، ان سے دعائیں لو اور فرماتے تھے کہ جب میں تبلیغ سے واپس آتا ہوں تو خانقاہوں میں جاتا ہوں تاکہ دل کی ٹیوننگ ہو جائے۔ موٹر چلنے کے بعد گیراج میں ڈالتے ہیں تاکہ پُرزوں میں جو گرد وغبار لگ گیا ہے اُس کی دُھلائی ہو جائے۔ فرماتے تھے کہ مخلوق میں اختلاط سے جو غبار سا آجاتا ہے خانقاہوں میں اس کی دُھلائی ہوتی ہے۔

جعلی پیروں کی جہالت

تو مکاتب کا قیام نبیوں والا کام ہے، دارالعلوم کا قیام نبیوں والا کام ہے، حکیمانہ علوم اور اللہ والوں کے ملفوظات سننا سنانا نبیوں والا کام ہے، تزکیۂ نفس کے لیے خانقاہوں کا قیام بھی نبیوں والا کام ہے اور خانقاہ سے مراد سچے اللہ والوں کی خانقاہ ہے جہاں سنت وشریعت پر چلنا سکھایا جاتا ہے، وہ خانقاہ نہیں خواہ مخواہ ہے جہاں گنجیڑی، بھنگیڑی لوگ سمندر کے کنارے بیٹھے سٹہ کا نمبر بتارہے ہیں اور جھوٹے دعوے کررہے ہیں کہ صاحب! یہ اونچے مقامات کے لوگ ہیں، ان کے پاس آسمان سے خبریں آتی ہیں، درحقیقت شیاطین ان کو خبریں دیتے ہیں کہ فلاں گھوڑا جیتے گا۔ سٹہ کا نمبر بتانے والا یعنی جوئے کا حرام کام بتانے والا ولی اللہ کیسے ہوسکتا ہے؟ یہ کون سی بزرگی ہے؟ یہ بزرگ نہیں شیطان ہے لیکن لوگ وہاں دوڑے جارہے ہیں اور ان کے ایجنٹ لوگوں کو یہ بھی سِکھا کر بھیجتے ہیں کہ اگر وہ تم کو ماں، بہن کی گالی دے دے تو تمہارا

کام ہو جائے گا، جب تک ماں، بہن کی گالی نہ دے ہٹنا مت، جب بابا غصہ میں آجائے اور منہ سے اول فول نکال دے تب سمجھو کہ اب اس کا قول معتبر ہے۔

جو بھی منہ سے نکلے اُن کے اول فول
تب سمجھ لو معتبر ہے اُن کا قول

لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ لاحول ہے ان کے اول فول پر اور ان کے قول پر، اصلی خانقاہیں وہی ہیں جہاں سچے اللہ والے ہوں اور جنہیں کسی اللہ والے کی سند بھی حاصل ہو۔

جس کا کوئی پیر نہ ہو اسے پیر نہ بنائیں

ایک صاحب ہیں جو بہت زیادہ درسِ قرآن دیتے ہیں، جدہ سے دو آدمی آئے اور کہنے لگے کہ ہم اُن سے تربیت لینا چاہتے ہیں، آپ کا کیا مشورہ ہے؟ میں نے کہا کہ جن سے تربیت لینا چاہتے ہو، جنہیں مربی بنانا چاہتے ہو انہوں نے بھی کسی سے تربیت لی ہے؟ اگر انہوں نے کسی سے تربیت حاصل کی ہے تو ان کا نام بتاؤ؟ کہنے لگے کہ ان کے مربی کا تو ہمیں پتا نہیں کہ کوئی ہے بھی یا نہیں؟ غالباً ان کا کوئی مربی نہیں، وہ خود ہی تربیت کرتے ہیں، میں نے کہا کہ جو خود مربہ نہ بنا ہو وہ کیسے مربی ہو سکتا ہے؟ پہلے شاگرد بننا ضروری ہے یا استاد؟ جس کا شاگرد ہونا ثابت نہیں اس کو استاد کیوں بناتے ہو؟ پھر میں نے انہیں ایک عربی جملہ بنا کر سنا دیا کہ **لَا تَأْخُذُوْهُ بَابَا مَنْ لَّا بَابَا لَهٗ** جس کا کوئی بابا نہ ہو خدا کے لیے اُس کو بابا نہ بناؤ، اس کا نسب نامہ صحیح نہیں ہے اور الحمد للہ ہمارے بابا موجود ہیں یعنی شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، حاجی امداد اللہ صاحب

رحمۃ اللہ علیہ ہمارا سلسلہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک جاتا ہے۔

لہٰذا اگر بزرگوں سے تعلق نہ ہوا تو گناہوں کا ارتکاب کروگے اور گناہ پر ندامت بھی نہ ہوگی۔ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس کو اپنے گناہ پر ندامت نہ ہو، اَمردوں سے خوب بات چیت کرتا ہے، ان سے آنکھیں سینکتا ہے اور ان کو دین سِکھانے کے بہانے ان سے باتیں کرتا ہے اور نفس اندر اندر حرام لذت درآمد کرتا ہے تو یہ شخص قہرِ الٰہی میں مبتلا ہے۔ حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس کو شریعت کے خلاف کسی منکر اور برائی میں مبتلاء دیکھو اور اسے ندامت کا احساس تک نہ ہو تو سمجھ لو کہ یہ قہرِ الٰہی میں مبتلاء ہے اور دلیل کتنی پیاری دی کہ ابلیس کو آج تک ندامت نہیں ہے، یہ ندامت نہ ہونا دلیل ہے کہ وہ مردود ہے اور قہرِ الٰہی میں مبتلا ہے لیکن گناہوں پر ندامت کا احساس بھی بزرگانِ دین کی صحبت سے پیدا ہوتا ہے۔

لہٰذا دین سیکھنے کے لیے علماء کے پاس آپ خود جائیں۔ اگر آپ کسی اسپیشلسٹ ڈاکٹر کو کہیں کہ تم خود میرے گھر پر آؤ، میرے ساتھ ساتھ بستر لے کر لوگوں کے علاج معالجہ کے لیے دربدر پھرو، جہاں ہم چلیں تم بھی چلو تو وہ کہے گا کہ میں نے لندن یا امریکہ سے اس لیے ڈگری حاصل نہیں کی ہے، میں ایک جگہ رہتا ہوں جس کو سو دفعہ غرض ہو میرے پاس آئے۔ علماء کے پاس سو دفعہ غرض ہو تو تم خود جاؤ، اُن سے دعا لو، اُن کی مجلس میں بیٹھو، اُن کی صحبت میں رہ کر تکبر کے مچھروں اور کھٹملوں پر ڈی ڈی ٹی چھڑکو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا توکل

اسی طرح بعض لوگ کہتے ہیں کہ بس تبلیغ میں نکل پڑو، گھر بار، ملازمت، کاروبار کچھ مت دیکھو کیونکہ سب کچھ خدا سے ہوتا ہے۔ آپ

بتائیں! اگر کسی کی عورت بیمار ہے اور اسے استنجاء کرانے کی ضرورت پڑ جائے تو دنیا میں کوئی رشتہ ہے جو عورت کی شرمگاہ کو چھو سکے سوائے شوہر کے۔ اگر ایسا توکل جائز ہوتا کہ سب کام خدا سے ہوتا ہے، کوئی سبب اختیار نہ کرو تو سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عین غزوۂ بدر میں کیوں حکم دیا کہ تمہاری بیوی بیمار ہے جاؤ مدینہ جا کر ان کی تیمارداری کرو، جس جنگ میں ملائکہ شامل تھے، جس جنگ پر اسلام کی بقاء کا انحصار تھا، جو اتنی مبارک جنگ تھی کہ سارے اصحابِ بدر جنتی ہیں، ان کے نام کے واسطہ سے دعائیں مانگی جاتی ہیں اور جس جنگ میں خود سید الانبیاء شامل تھے، اس نبی کا تو یہ توکل نہیں تھا کہ سب کچھ خدا سے ہوتا ہے لہٰذا بیمار بیوی کو چھوڑ کر یہیں رہو جبکہ نبی سربسجود ہو کر دعا کر سکتے تھے کہ اے اللہ! میری بیٹی کو صحت دے دے لیکن آپ نے حدودِ شریعت قائم کیں کیونکہ توکل کی تعریف ہے:

﴿تَرْكِيبُ الْاَسْبَابِ دُوْنَ الْاِعْتِمَادِ وَ الْاِعْتِمَادُ عَلَى اللهِ﴾

یعنی اسباب کو اختیار کرنا مگر ان پر اعتماد نہ کرنا اور اعتماد اللہ پر کرنا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عملاً اس کی تعلیم فرمادی حالانکہ غزوۂ بدر میں صرف تین سو تیرہ صحابہ تھے، اُس وقت مجاہدین کی کتنی کمی تھی، اس کے باوجود آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ واپس بھیج دیا کہ تم جا کر اپنی بیوی کی خدمت کرو، تمہیں اس مبارک جنگ کا پورا ثواب ملے گا اور تمہارا اصحابِ بدر ہی میں شمار ہوگا۔ نبی نے حقوقِ انسانیت سِکھائے ہیں اور آج بیمار ماں باپ چارپائی پر پڑے ہیں، بیوی کے بچہ ہونے والا ہے، اس وقت شوہر کا وہاں موجود رہنا شرعاً ضروری ہے اور اس وقت اس کو چھوڑ کر نکلنا حرام ہے لیکن یہ حدودِ شریعت کو توڑ کر بھاگے جا رہے ہیں تبلیغ میں۔ کہتے ہیں کہ چلو نکلو نکلو، سب اللہ سے ہو جائے گا۔

اپنی اور اہل وعیال کے دین کی فکر مقدم ہے

جن پر کوئی حقوق واجب نہیں ہیں وہ اگر ساری زندگی تبلیغ کریں تو ماشاء اللہ ان کو کوئی حرج نہیں، لیکن جن کے بال بچوں کی تربیت ضروری ہو کہ بعض وقت زیادہ نکلنے سے بچوں کی دیکھ بھال نہ ہوسکی اور بچے اتنے برباد ہوگئے کہ پھر کبھی اصلاح نہیں ہوسکی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا﴾

(سورۃ تحریم، آیت: ٦)

اپنی جان کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ اور اپنے اہل وعیال کو۔ اگر کسی شخص کو یہ ظن غالب ہے کہ میرے جانے سے میرے بچے ہپی ہو جائیں گے، سینما دیکھنے لگیں گے، باپ کا ڈر نہ ہونے سے ماں کے قابو میں نہ رہیں گے اور برباد ہو جائیں گے تو اس شخص کے لیے میں فتویٰ دیتا ہوں کہ اس کے لیے نکلنا جائز نہیں ہے۔ جاپانیوں کو مسلمان بنانے سے زیادہ ہمیں اپنی اولاد کو جنت میں داخل کرانا ضروری ہے کیونکہ قرآن کریم کے اسلوب کو دیکھیے قُوْا اَنْفُسَكُمْ اپنے جانوں کو دوزخ سے بچاؤ، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پہلے ابولہب اور ابوجہل سے نہیں فرمایا، پہلے بیٹی فاطمہ سے فرمایا:

﴿اَنْقِذِىْ نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ﴾

(صحیح مسلم، ج: ۱، ص: ۱۱۴)

کہ اے فاطمہ! عمل کر، عمل کر، اپنی جان کو دوزخ سے بچا اس لیے میں عرض کرتا ہوں کہ بعض لوگوں کو میں نے دیکھا کہ وہ چودہ سال، سولہ سال کے جوان بچوں کو چھوڑ کر تبلیغ کے جوش میں چھ مہینے کے لیے چلے گئے تو بچوں کو موقع مل گیا، اب وہ خوب سینما وی سی آر دیکھ رہے ہیں، لڑکیوں کے ساتھ گھوم رہے ہیں، نشہ کے عادی بن گئے، کن کن گناہوں میں مبتلا ہوگئے۔ یہ واقعات چشم دید بتا رہا ہوں۔

علامہ شبلی کے بھتیجے انور نعمانی صاحب نے بتایا کہ ایک صاحب باہر چلے گئے۔ اُن کی جوان بیٹی جنرل اسٹور میں آئی خوب لال لپ اسٹک لگا کر اور جنرل اسٹور والے سے مذاق کر رہی تھی۔ اس جنرل اسٹور والے نے کہا کہ نعمانی صاحب آپ جانتے ہیں کہ یہ کون ہے۔ ان کے والد تبلیغ میں ملکوں میں گئے ہوئے ہیں۔ اگر وہ ہوتے تو ان کی موجودگی میں یہ کام کرتی؟ اگر کسی کو ظن غالب ہو کہ میرے جانے سے میرے بچے آوارہ ہو جائیں گے تو اس کا جانا جائز نہیں ہوگا۔ اپنے بچوں کو بھی لے کر جائے اور اپنی بیٹیوں کو بھی ان کے محرم مثلاً داد، نانا، ماموں، چچا یا استانی یا کسی اللہ والی بزرگ عورت کے سپرد کر کے جائے۔ ہمارا کام حدود اور حقوق کو بیان کرنا ہے۔ جو نہ مانے خود ذمہ دار ہے۔ علماء اور محدثین موجود ہیں جو اپنے علم کی روشنی میں تصدیق فرمائیں گے کہ جو کچھ اختر نے بیان کیا ہے صحیح ہے یا نہیں۔

دین کے کام میں حدودِ شریعت کا لحاظ ضروری ہے

ہماری مسجد اشرف میں الحمدللہ خوب تبلیغی کام ہوتا ہے، ہر ہفتہ گشت بھی ہوتا ہے۔ ابھی ہمارے یہاں تبلیغی جماعت آئی تھی، فجر کے بعد ان کی خاطر سے میں نے بیان کیا تھا۔ ان میں سے ایک شخص نے پوچھا کہ اگر ماں باپ نے دس دن کی اجازت دی ہے تو کیا اس کو اختیار ہے کہ بغیر ماں باپ کی اجازت کے چالیس دن کے لیے چلا جائے۔ میں نے کہا چالیس دن لگانا مستحب ہے اور ماں باپ کا دل دُکھانا حرام ہے۔ لہٰذا جتنی اجازت دی ہے اس سے زیادہ نہ رُکو، دس دن کے بعد واپس چلے جاؤ، تبلیغ سے واپس جانے کے بعد ماں باپ کی خوب خدمت کرو، اتنا پیر دباؤ، اتنی تیل مالش کرو کہ ماں باپ کو یقین ہو جائے کہ اس جماعت میں ماں باپ کا اتنا ادب سکھایا گیا ہے،

پہلے تو اتنا نالائق تھا۔ ان کو خوش کرو کہ ان کا ذہن بن جائے کہ چلو بھئی تم چالیس دن کے لیے چلے جاؤ۔ تو سب نے میرا اتنا شکریہ ادا کیا۔ جب ان کو چھ نمبر کے علاوہ بدنگاہی کے نقصانات، جھوٹ بولنے کے نقصانات، ماں باپ کا دِل دُکھانے کی وعیدیں اور دوسری باتیں حدیثوں سے سنائی گئیں تو وہ کہنے لگے کہ ہمارا دل باغ باغ ہوگیا، لہٰذا بعد میں پھر ملنے آئے۔

بعض لوگوں نے کہا کہ صاحب ان میں اتنا غلو ہے جس سے ماں باپ اور بیٹوں میں جھگڑے ہوجاتے ہیں، ماں باپ دس دن کے لیے کہتے ہیں اور یہ چلے جاتے ہیں چلہ میں لہٰذا اس غلو اور زیادتی کی وجہ سے ہمارے معاشرہ میں گھروں کے اندر لڑائیاں شروع ہوگئیں، بیوی کو حمل ہے اور وضع حمل بالکل قریب ہے، کل بچہ پیدا ہونا ہے اور شام کو ملکِ شام چلے گئے، بھئی ایک دن رک جاؤ، ایک مہینہ ہے تو ایک مہینہ ٹھہر جاؤ، بعضے حالات ایسے پیش آجاتے ہیں کہ اس وقت سوائے شوہر کے کوئی بیوی کے قریب نہیں جا سکتا۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ وہ بیوی دوسری عورتوں سے کہے گی کہ تم اپنے شوہروں کو تبلیغ میں ضرور بھیجو، ہم بیمار تھے، ہمارے بچے کی پیدائش ہونے والی تھی، ہمارے شوہر کو تبلیغ والوں نے روک دیا کہ بھئی تم ہسپتال میں اپنی بیوی کی خدمت کرو۔ اللہ کی رحمت بہت وسیع ہے تھوڑا کام ہو، حدود کے ساتھ ہو اور اللہ راضی ہو، وہ بہتر ہے اس کام سے جس میں حدود پاش پاش ہوجائیں اور قرآن کریم کی آیت وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰہِ پر عمل نہ ہو اور اس میں برکت بھی زیادہ ہوتی ہے وہ عورت دوسروں سے کہتی ہے کہ اپنے شوہروں کو تبلیغ میں بھیجو لیکن اگر وہ بیوی کو اس تکلیف میں چھوڑ کر چلا گیا تو کہے گی کہ اپنے شوہروں کو تبلیغ میں مت جانے دینا، ہم مر رہے تھے، وہ بھاگ گیا۔

ایک مفتی اور عالم جنہیں دو مشائخ مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور

مولانا مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے خلافت بھی حاصل ہے انہوں نے اپنے داماد سے کہا کہ آج کل میں میری بیٹی کے ہاں بچّہ ہونے والا ہے، وِلادت ہونے دو پھر بے شک تبلیغ میں چلے جاؤ، لیکن داماد صاحب اُسی دن چلے گئے۔ مفتی صاحب نے یہ واقعہ خود بیان کیا ہے، میں سنی سنائی روایت کو اہمیت نہیں دیتا، مفتی صاحب نے مجھ سے کہا کہ بتائیے! یہ تبلیغ ہے؟ اب اس کی بیوی ہزاروں عورتوں کو بدظن کرے گی کہ یہ ظالم کیسا تبلیغی تھا، اس نے ذرا بھی میرا حق ادا نہیں کیا۔

دیکھو! میرے دوست قاضی صاحب یہاں بیٹھے ہیں، تبلیغ میں انہوں نے عمر لگائی ہے، لیکن مولانا ابرار الحق دامت برکاتہم سے انہوں نے پوچھا کہ میری بیوی کو فالج ہوگیا ہے، سری لنکا میں تبلیغی اجتماع ہے تو میرے وہاں جانے سے اللہ راضی ہوگا یا بیوی کی خدمت کرنے سے؟ حضرت نے فرمایا کہ بیوی کی خدمت میں رہنے سے اللہ زیادہ راضی ہوگا۔ اس پر فالج گرا ہوا ہے، شوہر کے سوا کوئی دوسرا اس کی خدمت نہیں کرسکتا، ہر جگہ ہاتھ نہیں لگا سکتا لہٰذا سری لنکا سے جو کچھ ملے گا وہ سب تم کو یہیں مل جائے گا بلکہ زیادہ ملے گا۔ حدود کی رعایت کے ساتھ دین کا کام کرو، حدود کو توڑ کر نہ کرو۔ جیسے حج کے موقع پر نویں تاریخ کو اللہ تعالیٰ عرفات میں ملتے ہیں، اُس وقت کعبہ سے لپٹنے سے اللہ نہیں ملے گا، نویں تاریخ کو سب حاجی میدانِ عرفات گئے اور یہ غلافِ کعبہ پکڑے رو رہا ہے اور کہتا ہے کہ میں اللہ کے گھر کو نہیں چھوڑوں گا، یہ بے وقوف ہے، اس کا حج نہیں ہوگا۔ اس لیے دوستو! علماء کے ساتھ رہو اور قرآن و حدیث کی روشنی میں رہو۔

اب بتلایئے کہ اگر کوئی غیر عالم ہوتا اور تبلیغ کا جوش ہوتا تو وہ یہ کہتا کہ ارے میاں! بیوی کو چھوڑو، سب اللہ سے ہوتا ہے، اللہ سب ٹھیک کردے

گا، جاؤتم نکلو، نکلو، نکلو۔ اسی لیے میں کہتا ہوں کہ تبلیغ میں وقت لگانے سے پہلے علماء سے مسئلہ پوچھو کہ ہمارے ذمہ کوئی حقوق تو نہیں پھر جو وہ بتائیں اُس پر عمل کرو اور علماء بھی وہ علماء جن کے مزاج میں اعتدال ہے چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ قاضی فیصلہ نہ کرے جب اُس پر حالِ غضب غالب ہو جائے تو جن پر تبلیغ کا حال غالب ہو گیا وہ علماء بھی اس قابل نہیں کہ ان سے مسئلہ پوچھا جائے کیونکہ وہ مغلوب الحال ہو گئے لہٰذا بعض ایسے نادان کہتے ہیں کہ علماء کے لیے نو چلہ ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ ان کو اتنا رگڑو کہ ان کی علمی شان باقی نہ رہے، وہ مغلوب الحال ہو جائیں، یعنی غالب علی الاحوال نہ رہیں۔ اس میں دوسرا نکتہ یہ بھی ہے کہ نفس میں جو بڑائی ہے وہ ختم ہو جائے، جو بڑے ہیں وہ تو یہی فائدہ بیان کرتے ہیں لیکن بزرگوں کی دعاؤں کی برکت سے ایک بات میرے قلب پر منکشف ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بڑھ کر کون فقیہ ہو سکتا ہے، جن کے اسلام پر آسمانوں میں خوشی منائی گئی انہوں نے اپنے زمانۂ خلافت میں حکم جاری کیا تھا کہ ہر چار مہینہ بعد سپاہی میدانِ جہاد سے گھر واپس آکر بیوی کا حق ادا کرے اور یہ قانون کس بات پر بنایا تھا؟ ایک مرتبہ گشت میں سُنا کہ ایک عورت ایسے اشعار پڑھ رہی ہے کہ اگر اللہ کا خوف نہ ہوتا تو میں نامناسب کام سے اپنی خواہش پوری کر لیتی تو آپ نے اپنی بیٹی حضرت حفصہ سے پوچھا کہ بیٹی! عورت اپنے شوہر سے کتنے عرصہ کی جدائی برداشت کر سکتی ہے؟ انہوں نے کہا کہ چار مہینے تو آپ نے قانون بنا دیا کہ ہر چار مہینے بعد سپاہی جہاد سے واپس آئے اور بیویوں کا حق ادا کرے۔

اور اگر کوئی شیخِ فانی ہو جائے یعنی بڈھا ہو جائے، اب کسی کی کیا مثال دوں بعضے صورۃً شیخِ فانی ہوتے ہیں اندر سے شیخِ باقی ہوتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ مسئلہ بیان کیا کہ جوان آدمی روزہ کی حالت میں بیوی

کا بوسہ نہیں لے سکتا، بڈھا لے سکتا ہے کیونکہ بڑھاپے کی وجہ سے بڈھے کے لیے یہ امکان نہیں کہ وہ مغلوب الشہوت ہوکر جماع کرلے، تو حدیث کو پڑھاتے ہوئے امام صاحب نے فرمایا کہ بعض جوان بڈھے ہیں جو قوت میں کمزور ہیں مرضِ بخار میں مبتلا ہیں بالکل دم نہیں ہے ان کے لیے بوسہ لینا جائز ہوگا اور بعضے بڈھے کشتہ کھاکر، مرغی کا سوپ پی کر جوان ہیں تو ان کے لیے بوسہ لینا جائز نہ ہوگا، مدار اس کا قوت ہے۔ اسی لیے تو امام صاحب کی فقہ پر بڑے بڑے علماء عش عش کرتے تھے۔

سچ کہتا ہوں کہ دس لاکھ مسلمان جو عالم نہیں ہیں وہ دینی کام سے کہیں جارہے ہوں اور ایک عالم متقی، اللہ والا مجھے انتخاب کرلے کہ اختر! تم میرے ساتھ چلو تو میں ان شاء اللہ عوام کو چھوڑ کر عالم کے ساتھ رہوں گا کیونکہ یہ نائبِ رسول ہے۔ حدودِ شریعت میں رہ کر کام کرنے سے اللہ تعالیٰ ہم سے زیادہ خوش ہوں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صدیقِ اکبر کو بلایا کہ میرے ساتھ ہجرت کرو، کسی کو نہیں بلایا تو صدیق اکبر خوش قسمت تھے یا نہیں۔ اب اگر نبی کسی کو بلائے کہ میں چل رہا ہوں تم میرے ساتھ چلو اور ہم کہیں کہ نہیں نہیں ہم تو چلّہ پر جارہے ہیں۔ جب شیخ بستی میں آرہا ہو اس وقت اس کو چھوڑ کر تبلیغ کے لیے نکل جانا میں تو کہتا ہوں کہ قیامت کے دن اس سے مؤاخذہ ہوگا کیونکہ شیخ نائبِ رسول ہے، مزکی ہے اور تزکیہ کرانا فرض ہے۔

اسی طرح تبلیغ کے اکابر اَمرد لڑکوں کو تبلیغ میں لے جانے سے منع فرماتے ہیں مگر پھر بھی اکثر لوگ بے اصولی کرتے ہیں اور بے ریش لڑکوں کو مسجد میں اپنے ساتھ سُلاتے ہیں۔ یہاں ایک شخص آتا ہے، اس نے خود مجھے بتایا کہ میں مسجد میں لیٹا ہوا تھا کہ میرے پاس تین قسم کے لوگ آئے، ایک نوجوان نے

میرے پیر دبائے، اس کے بعد ادھیڑ عمر والے نے پیر دبائے اور اس کے بعد بڈھے بڈھے لوگوں نے پیر دبائے تو میں نے کہا کہ آپ لوگ میرے پیر کیوں دبا رہے ہیں؟ سب نے کہا کہ ہم آپ کا اِکرام کر رہے ہیں تو میں نے کہا کہ جو بڈھے خود اپنی پنڈلی دبا رہے ہیں ان کے پیر کیوں نہیں دباتے ہو؟ دیکھو وہ بڈھا جو اُدھر اپنا پیر خود دبا رہا ہے وہاں جاؤ، اس کا پیر دباؤ، خوبصورت لڑکے ہی تم کو دبانے کے لیے ملے ہیں، سارا اِکرام انہی کے لیے ہے؟ لہٰذا اپنے بزرگوں اور علماء کے مشورہ کے خلاف نہیں کرنا چاہیے۔

قاضی صاحب کو دیکھو! ان کو علماء سے کتنی محبت ہے، ان کو مجھ سے بھی محبت ہے۔ جب میرا سفر ہوتا ہے تو سب کچھ چھوڑ دیتے ہیں، کہتے ہیں کہ آپ کے ساتھ رہوں گا۔ پہلے دین سیکھتے ہیں اس کے بعد جب جماعت میں جاتے ہیں اور قرآن وحدیث کے علوم اور صحابہ کے حالات پیش کرتے ہیں تو سارے تبلیغی احباب ان کو گھیر لیتے ہیں۔ اس لیے عرض کرتا ہوں کہ عوام کے دل میں علماء کی عظمت پیدا کرنا بھی عظیم کام ہے ورنہ اگر عوام کا علماء سے رابطہ ختم ہو جائے تو پھر کیا ہوگا؟ پھر قانون معلوم نہیں کریں گے، فضائل پر تو عمل ہو رہا ہے اور نماز کی سنتیں یاد نہیں۔ کئی کئی چلہ لگانے والوں کے ذرا سجدہ ہی کو دیکھ لیجیے کہ انگلیاں ملی ہوئی ہیں یا نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ سنت کا تذکرہ نہیں ہوتا۔

اسی لیے عربوں کو حدیثوں کی مستند کتابوں میں جو سنتیں ہیں وہ سنائی جائیں۔ جتنے عرب ہیں وہ بخاری کو مانتے ہیں، مسلم کو مانتے ہیں، صحاح کی جتنی احادیث ہیں سب کو مانتے ہیں لہٰذا جو سنتیں حدیثوں میں ہیں ان کو الگ جمع کر لو تاکہ عربوں کو اگر یہ اِشکال ہو کہ کہیں یہ حدیث ضعیف تو نہیں ہے تو اُنہیں بتا دو کہ یہ حدیث صحاح کی اس کتاب میں ہے، آپ نے اس طرح سجدہ کیا حالانکہ سنت کے مطابق یہ طریقہ ہے۔ جیسے بخاری شریف کی ایک سنت یہ

ہے کہ پہلے داہنے پیر میں جوتا پہنو تو اس حدیث کو بیان کرنے میں کیا مضائقہ ہے؟ کون سا عرب ایسا ہے جو اس کو نہیں مانتا؟ حنبلی، شافعی، مالکی سب اس کو مانتے ہیں۔ میں ان شاء اللہ ایک کتاب لکھنے والا ہوں جس میں صرف صحاح کی چھ کتابوں کی حدیثوں کی سنتیں جمع کروں گا تاکہ ساری دنیا میں قابلِ قبول ہو۔ دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ یہ کام اپنی رحمت سے مجھ سے لے لے۔

میں نے اور قاضی صاحب نے ایک مرکز کے امام سے گذارش کی کہ ہر نماز کے بعد صرف ایک سنت بیان کردیا کرو، کہنے لگے کہ نہیں یہ سب ہمارے یہاں نہیں ہوگا، ہم صرف چھ نمبر بیان کریں گے۔ کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کی یہی قدر ہے؟ کیا چھ نمبر کے ساتھ سنتوں کا سیکھنا منع ہے؟ غرض انہوں نے قاضی صاحب کے مشورہ کی کوئی قدر نہ کی۔

تبلیغی جماعت نافع ہے، کافی نہیں

مولانا شاہ ابرار الحق صاحب نے تبلیغی جماعت کے ایک اجتماع میں بیان فرمایا جہاں ساڑھے تین چار لاکھ کا مجمع تھا چونکہ مولانا انعام الحسن صاحب حضرت کے ساتھ پڑھے ہوئے ہیں اس لیے حضرت کو فوراً موقع دیا گیا تو حضرت نے فرمایا کہ تبلیغی جماعت نافع تو ہے، کافی نہیں ہے اور کافی کب ہوگی؟ جب علماء دین اور اہل اللہ سے قوی تعلق قائم ہوگا۔ چونکہ چھ نمبر میں پورا دین نہیں آسکتا اس لیے علماء کی ضرورت ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔

تبلیغی جماعت کی مثال فرسٹ ایڈ کی سی ہے کہ کسی کے چوٹ لگ جائے تو اس کی فوراً مرہم پٹی کرکے اس کو علاج کے لیے بڑے ڈاکٹروں کے پاس بھیج دیا جاتا ہے۔ اسی غرض سے مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ جماعت قائم کی تھی کہ جو بے چارے دین سے دور ہیں اُنہیں دین سے مانوس

کرا کے ان کا رشتہ علماء ومشائخ سے جوڑا جائے تا کہ وہ پورا دین حاصل کر لیں۔ علماء ومشائخ سے تزکیۂ نفس یعنی اپنے نفس کی اصلاح بھی فرض ہے کیونکہ اعمال کی قبولیت کا مدار تزکیۂ نفس پر ہے۔ اس لیے تبلیغی جماعت کا نافع ہونا تو تسلیم ہے، مگر کافی ہونا تسلیم نہیں کہ صاحب بس اب تو یہی کام ہے، یہی کام ہے۔ مولانا ابرارالحق صاحب نے فرمایا کہ یہ نہ کہو کہ یہی کام ہے بلکہ یوں کہو کہ یہ بھی کام ہے۔ یہ نہ کہو کہ بس چلہ میں جاتے رہو اور علماء ومشائخ کی ضرورت نہیں۔ دین کے کام کرنے والوں کے مختلف طریقے اور اقسام ہیں، بعضوں کا نفع عام ہوتا ہے اور بعضوں کا نفع تام ہوتا ہے اور بعضوں کا نفع عام بھی ہے اور تام بھی ہے۔ اخلاص کے بغیر نہ مدرسہ قبول ہے نہ تبلیغ قبول ہے۔ مولانا ابرارالحق صاحب فرماتے ہیں کہ اخلاص ملتا ہے بزرگانِ دین کے پاس لہٰذا مدارس والے علماء کے لیے بھی ضروری ہے کہ مشائخ اور بزرگانِ دین کی خدمت میں اصلاحِ نفس کے لیے جائیں۔

تزکیۂ نفس علماء پر بھی فرض ہے

علماء خوش نہ ہوں کہ بس ہم تو بہت بڑے ہو گئے، علماء کے لیے بھی اپنے نفس کو مٹانا فرض ہے۔ مدارس کے علماء کے لیے بھی ضروری ہے اور تبلیغ والوں کے لیے بھی ضروری ہے کہ اخلاص حاصل کرنے کے لیے اہل اللہ کی صحبت میں تزکیۂ نفس کرائیں۔ تزکیۂ نفس کا شعبہ مقاصدِ نبوت میں سے ہے۔ تزکیۂ نفس پر اعمال کی قبولیت کا مدار ہے۔

ایک تو ہے تبلیغ اور ایک ہے مدرسہ تو تبلیغ اور مدرسہ سے اعمال کا وجود ملتا ہے لیکن اعمال کا قبول ملتا ہے خانقاہوں سے جہاں اخلاص پیدا ہوتا ہے، جہاں کبر اور عجب کا آپریشن کرتے ہیں۔ آپ کے شہر میں ایک دل کا ہسپتال ہو

اور ہارٹ اسپیشلسٹ سب کے سب باہر چلے جائیں تو دل کے مریض کہاں جائیں گے؟ اور ایک بات اور بھی ہے کہ دل کا آپریشن فٹ پاتھوں پر نہیں ہوتا، میدانوں میں نہیں ہوتا، سر پر بستر لے کر نکلنے سے نہیں ہوتا، جہاں دل کا آپریشن ہوتا ہے وہاں لکھا ہوتا ہے کہ یہاں ہارن نہ بجاؤ۔ اس لیے دل کا آپریشن تو ہسپتال کے کمروں میں ہوگا۔ اسی طرح دل کی اصلاح کا آپریشن تو خانقاہوں کے حجروں ہی میں ہوگا، یہ مساجد کے منبروں پر بھی نہیں ہوسکتا کیونکہ وہاں غیر طالب بھی ہوتے ہیں جن کو مناسبت نہیں ہے اس لیے ان کے عناد کی نحوست سے تربیت واصلاح کا مضمون بھی مزکی و مصلح کے دل میں نہیں آتا۔

گر ہزاراں طالب اند و یک ملول

از رسالت باز می ماند رسول

اگر ہزاروں طالب ومخلص بیٹھے ہوں اور ایک آدمی ہو جو بغض ونفرت سے بیٹھا ہوا ہے مجبوراً کسی وجہ سے، کسی دنیاوی فائدہ سے یا کسی اور مجبوری سے بیٹھا ہوا ہے تو اگر رسول بھی ہے تو اس کا فیضان رُک جائے گا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ تبلیغ میں اتنا بڑا چلہ ہوتا ہے اور اتنا مجاہدہ ہوتا ہے اور یہ علماء مدرسوں میں پنکھوں کے نیچے بیٹھے ہوئے بخاری پڑھانے میں لگے ہیں لیکن عوام کی ساری زندگی کا چلّہ علماء کے دس برس کے چلہ سے کم ہی رہتا ہے۔ دس برس کا مسلسل چلہ کھینچو، دس سال میں عالم ہوتے ہیں تب پتا چلے گا کہ یہ چلّہ کتنا مجاہدہ کا ہے اور اگر حافظِ قرآن ہے تو تین سال اور لگالیں، اس طرح تیرہ سال تک بیچارے پڑھتے رہتے ہیں مگر صرف ایک کمی ہے اب وہ بھی بتائے دیتا ہوں، اپنی برادری کی بھی بات بتاؤں گا اگرچہ وہ بھی ہماری برادری ہے، یہ بھی ہماری برادری ہے یعنی اہلِ تبلیغ، اہلِ مدارس، اہلِ خانقاہ سب ہماری ہی برادری ہے۔ حق بات پیش کرنے سے شرماؤں گا نہیں اور نہ

ڈروں گا چاہے مولوی بھی ناراض ہو جائیں۔

میں کہتا ہوں کہ عالم کے معنی ہیں جو اللہ کو جانتا ہو اور با عمل ہو، اس کے دل میں اللہ کی خشیت ہو اور اس کے نفس کا تزکیہ ہو چکا ہو یعنی اخلاقِ رذیلہ سے پاک ہو گیا ہو ورنہ علم کا عطر تو تیرہ سال میں حاصل کیا مگر دل کی شیشی صاف نہیں کی۔ اگر آپ کو دس ہزار روپے تولہ والا خالص عود کا عطر لینا ہے تو آپ کس شیشی میں لیتے ہیں؟ جس شیشی میں کتے بلی کا گُو لگا ہوا ہو اس میں آپ عطر لیں گے؟ اسی طرح تیرہ سال میں جو قرآن وحدیث کا عطر حاصل کرتے ہیں ان پر اپنے قلب کی شیشی کا تزکیہ بھی فرض ہے، اگر تزکیہ نہیں ہوتا تو پھر یہ علم روپیوں سے، جاہ سے، عزت سے، مال سے، ذرا ذرا سی بات سے بک جاتا ہے۔ جب تزکیہ نہیں ہوتا تو دل میں دردِ محبت بھی نہیں ہوتا، بیان میں مزہ اور تاثیر نہیں ہوتی لہٰذا علماء کی عظمت کے باوجود بعض میں جو کمی ہے وہ بھی عرض کر دیتا ہوں کہ اگر یہ اپنے قلب کی شیشی کی دھلائی کر لیں اور تزکیہ کرا لیں تو پھر ان کے عطر کی خوشبو اُڑے گی کیونکہ ماشاء اللہ ان کے پاس قرآن وحدیث کا عطر تو ہے ہی بس قلب کی شیشی صاف کروانے کی ضرورت ہے۔

جب علماء اہل اللہ ومشایخ سے تعلق کرتے ہیں اور اپنا ہاتھ کسی اللہ والے کے ہاتھ میں تزکیہ کے لیے دے دیتے ہیں اور وہ مشایخ دیکھتے ہیں کہ اس عالم کے دل میں کچھ بڑائی آ گئی ہے تو اس سے مجاہدہ کراتے ہیں تاکہ ان کے نفس سے تکبر نکل جائے، علم کا احساس نکل جائے، علم کا نشہ اُتر جائے اور عوام کو یہ حقیر نہ سمجھیں۔ چنانچہ ہمارے تمام بزرگانِ دین اور بڑے بڑے علماء نے بزرگوں کی جوتیاں اٹھائیں اور نفس کا تزکیہ کرایا اسی لیے ان کا سارے عالم میں ڈنکا پٹ گیا، ان کے علم کی خوشبو سارے عالم میں پھیل گئی۔

اکابر کا فنائے نفس

نفس و شیطان سے بچنا آسان نہیں ہے۔ شیخِ کامل کے بغیر کسی کی اصلاح نہیں ہوسکتی ورنہ مولانا تھانوی، مولانا گنگوہی اور مولانا قاسم نانوتوی جیسے علماء ایک غیر عالم حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے کیوں اِصلاح لیتے؟ خواہ کتنا ہی قابل ہو لیکن رَأْیُ الْعَلِیْلِ عَلِیْلٌ بیمار کی رائے بیمار ہوتی ہے۔ حکیم اجمل خاں بھی جب بیمار ہوتے تھے تو دوسرے حکیم سے علاج کرواتے تھے لہٰذا یہ اکابر علماء علم وفضل کے باوجود اپنے نفس کی اصلاح کے لیے حاجی صاحب کے پاس گئے اور ان کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا۔

چنانچہ حاجی صاحب نے تھانہ بھون میں ایک بار مولانا گنگوہی کے ہاتھ پر روٹی رکھ دی اور روٹی پر آلو کی بھجیا رکھ دی اور فرمایا کھائیے! مولانا گنگوہی فرماتے ہیں کہ حاجی صاحب گوشۂ چشم سے مجھے دیکھ بھی رہے تھے کہیں اس کو تغیر تو نہیں ہے کہ شیخ نے میری کیا بے وقعتی کی۔ مولانا گنگوہی فرماتے ہیں کہ اس وقت میری روح مست ہورہی تھی کہ کہاں یہ میری قسمت کہ شیخ اس طرح میرے نفس کو مٹائے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے ایک عالم مفتی بھی تھے، واعِظ بھی تھے اور محدث بھی تھے، اصلاح کے لیے اپنے شیخ کے پاس گئے، شیخ نے ان سے کہا کہ آپ کو تین کام چھوڑنے پڑیں گے، آپ نہ فتویٰ دیں گے، نہ حدیث پڑھائیں گے، نہ وعظ کہیں گے، سال بھر خانقاہ میں رہیے اور اللہ اللہ کیجئے اور سال کی بھی قید نہیں ہے، جب تک میں اجازت نہ دوں آپ دین کا، دعوت الی اللہ کا کوئی کام نہیں کریں گے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مشکوٰۃ کی شرح میں لکھا ہے کہ اُس زمانہ کے بعض خشک اہلِ فتاویٰ نے اس شیخ کے

کافر ہونے کا فتویٰ دے دیا۔

ملا علی قاری محدثِ عظیم اور اپنی صدی کے مجدّد تھے وہ لکھتے ہیں کہ سال بھر کے بعد جب شیخ نے محسوس کیا کہ اِن کا نفس مٹ گیا ہے، اب یہ جو وعظ کہیں گے اللہ کے لیے کہیں گے، جو تصنیف وتألیف کریں گے اللہ کے لیے کریں گے، اب اِن میں اِخلاص پیدا ہو گیا ہے تو اُنہیں حدیث پڑھانے کی بھی اجازت دے دی، فتاویٰ دینے کی بھی اجازت دے دی اور وعظ کہنے کی بھی اجازت دے دی تو وہ جو دس سال سے بیان کر رہے تھے اس میں کوئی اثر نہ تھا اور اجازت ملنے کے بعد جب انہوں نے پہلا بیان کیا تو ایسے درد بھرے دل سے کیا کہ جتنے سامعین تھے سب اُسی وقت صاحبِ نسبت ہو گئے، ولی اللہ بن گئے، شیخ کی برکت سے ایک سال میں کیا سے کیا حالت ہو گئی ۔

تو نے مجھ کو کیا سے کیا شوقِ فراواں کر دیا
پہلے جاں پھر جانِ جاں پھر جانِ جاناں کر دیا

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پیاسے اگر پانی کو تلاش کرتے ہیں تو پانی بھی اپنے پیاسوں کو تلاش کرتا ہے۔ جب دودھ کا جوش ہوتا ہے تو ماں اپنے بچّوں کو خود تلاش کرتی ہے کہ وہ کہاں ہیں ۔

تشنگاں گر آب جویند از جہاں
آب ہم جوید بہ عالم تشنگاں

اگر اخلاص نہ ہو گا تو نہ وعظ قبول ہو گا، نہ بخاری شریف پڑھانا قبول ہو گی اور نہ تبلیغ والوں کا چلہ قبول ہو گا لہٰذا رِیا سے متعلق حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث یاد کر لو کہ جناب واعِظ صاحب بھی دوزخ میں جا رہے ہیں، شہید صاحب بھی دوزخ میں جا رہے ہیں اور قاری صاحب بھی دوزخ میں جا رہے ہیں معلوم ہوا کہ اخلاص نہیں تھا۔

دین کے شعبے آپس میں رفیق ہیں، فریق نہیں

تبلیغ ہو، مدارس ہوں، مکاتب ہوں، خانقاہیں ہوں، سب دین کے شعبے ہیں، ہر ایک دوسرے کو اپنا رفیق سمجھے فریق نہ سمجھے۔ تبلیغ والے ہوں، علماء دین ہوں، خانقاہ والے ہوں سب لوگ یہ کہیں کہ ہم آپس میں رفیق ہیں، ڈیپارٹمنٹل آدمی ہیں جیسے ریل کے محکمہ میں کوئی ٹکٹ دے رہا ہے، کوئی سگنل دے رہا ہے، کوئی گارڈ ہے، کوئی اسٹیشن ماسٹر ہے، کوئی ٹکٹ چیکر ہے، وہ لوگ آپس میں کیا کہتے ہیں کہ ہم ڈیپارٹمنٹل آدمی ہیں، ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ دنیائے مردار میں تو یہ اتحاد ہو اور دین میں اختلاف وافتراق ہو؟ کیسی افسوس کی بات ہے! تبلیغی جماعت، مدارس، خانقاہیں سب دین کے محکمے ہیں، سب دین ہی کا کام کر رہے ہیں اس لیے ہم سب آپس میں رفیق ہیں۔ بہت نادان ہے وہ شخص جو تفریق پیدا کرنے کے لیے تنقید کرتا ہے کہ علماء کچھ نہیں کر رہے یا تبلیغ والے غلط کام کر رہے ہیں۔

اُمت کا درد رکھنے والے علماء اِصلاح کرنے کے لیے مسئلہ بتاتے ہیں نفرت دلانے کے لیے نہیں اس لیے ان کے کیڑے نہ نکالو، کوئی بات ہو تو اکرام کے ساتھ سمجھا دو۔ آج جو باتیں میں نے کہیں وہ اصلاح کے لیے کہی ہیں، تنقیص اور تنقید کے لیے نہیں۔ کراچی میں میری مسجد سے جماعتیں جاتی ہیں، ہردوئی میں مولانا ابرار الحق صاحب کی مسجد میں جماعتیں آتی ہیں، خود حضرت بار بار رائے ونڈ بھی گئے اور نظام الدین جاتے رہتے ہیں۔ مولانا انعام الحسن اور حضرت دونوں ساتھ کے پڑھے ہوئے ہیں۔ بہت ہی نادان اور فتنہ پرور ہے وہ شخص جو مجھے تبلیغ کا مخالف سمجھتا ہے بلکہ ہم تو عوام کو اس میں شرکت کی دعوت دیتے ہیں البتہ کسی کو اگر اس طریقہ سے مناسبت نہیں ہے تو

شریک نہ ہو لیکن دوسروں کو منع نہ کرے۔

تبلیغی جماعت کا عظیم الشان فائدہ

جس جماعت سے اتنا بڑا عالمی فائدہ ہو رہا ہو اور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اُمت چمک رہی ہو اس جماعت کی مخالفت کرنے والے سے اندیشہ ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مواخذہ فرمائیں بلکہ ایسے شخص کا خاتمہ خطرہ میں پڑ جانے کا خطرہ ہے کیونکہ اس جماعت کے ساتھ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بہت سی بشارتیں ہیں۔ اسی طرح وہ لوگ بھی ہوشیار ہو جائیں جو علماء کی شان میں گستاخی کرتے ہیں۔ اگر توبہ نہ کی تو سوء خاتمہ کا خوف ہے کیونکہ حدیثِ قدسی میں ایسوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا اعلانِ جنگ ہے۔ غرض جہاں بھی دین کا کام ہو رہا ہے اس کو اپنا کام سمجھو، دین کا کام کرنے والے ہمارے ہیں اور ہم اُن کے ہیں۔

تبلیغ کے مسائل بتانا تبلیغ کا انکار نہیں ہے

میں تبلیغی جماعت کے تمام احباب کو کہتا ہوں کہ میں اس جماعت کو بہت مبارک سمجھتا ہوں، لیکن اگر نماز میں سجدہ سہو واجب ہو جائے اور میں سجدہ سہو کا مسئلہ بتاؤں کہ نماز میں دو سجدے واجب ہو گئے ہیں وہ ادا کرو ورنہ نماز دُہرانی پڑے گی تو کیا میں نماز کا منکر ہوں؟ اسی طرح میں تبلیغ کا بھی منکر نہیں ہوں البتہ مسائل بیان کرتا ہوں کہ یہ غلطیاں ہو رہی ہیں، لوگ اس بارے میں احتیاط کریں۔

مسائلِ نماز بتانا اور ہے مگر نماز کی تحقیر حرام ہے یا نہیں؟ مثلاً اگر کوئی غلط نماز پڑھ دے اور سجدہ سہو واجب ہو جائے تو کیا نماز ہی سے انکار کر دو گے؟ اسی طرح اگر کسی تبلیغی جماعت والے سے کوئی بے اصولی ہو جائے تو پوری تبلیغی جماعت کو متہم کرنا اور تبلیغ کی مخالفت کرنا کہاں جائز ہے؟

تبلیغی جماعت بہترین جماعت ہے

میں سمجھتا ہوں کہ دینی اعتبار سے اجتماعی کام کرنے والی جماعتوں میں اس وقت سارے عالم میں تبلیغی جماعت بہترین جماعت ہے۔ تبلیغ کے اصول بتانا تو واجب ہے لیکن جس بات سے تبلیغ کی حقارت، تبلیغی جماعت کی توہین یا ان کا مذاق اُڑانا لازم آئے اس کو میں حرام سمجھتا ہوں۔ مسئلہ اور حدود کی بات بتانا اور چیز ہے، تنقید و تنقیص کرنا اور چیز ہے۔ مثلاً اگر ان سے کچھ کوتاہی ہو جائے تو مرکز کو یا علماء دین کو اطلاع کر دو تاکہ اس کی اصلاح ہو جائے لیکن اس طرح کا رویہ نہ اختیار کرو جس سے معلوم ہو کہ یہ غیر ہیں۔ یہ ہمارے ہیں۔ مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کون تھے؟ ہمارے ہی بزرگوں میں تھے، مولانا خلیل احمد سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے، تیس برس خانقاہ میں ان کی خدمت میں رہے، اللہ تعالیٰ نے ان سے اتنا بڑا کام لیا کہ آج تبلیغی جماعت سے سارے عالم میں دین پھیل رہا ہے۔

بعض پڑھے لکھے لوگوں کا دل چاہتا ہے کہ ہم جماعتی حیثیت سے کام کریں، اُن کو میں تبلیغ میں بھیج دیتا ہوں یعنی اللہ تعالیٰ نے اس جماعت کو ہمارے لیے بہت بڑے فرضِ کفایہ کا ذریعہ بنا دیا کیونکہ بعضوں کا مزاج اتنا تیز ہے کہ وہ خانقاہوں میں آنے کے لیے تیار نہیں، علماء کے پاس جانے کے لیے تیار نہیں، کالجوں میں، فیکٹریوں میں، دکانوں پر سانپ کی طرح بیٹھے ہیں یعنی مال پر فدا ہیں، یہ جماعت ان کو لے کر نکل جاتی ہے۔ اس کی برکت سے بڑے بڑے افسران اور انگریزی داں نماز، روزہ ادا کرنے لگے اور سنت پر چلنے لگے۔ تو کسی کی ایسی تقریر کا یہ مطلب نہیں کہ ہم تبلیغی جماعت کی مخالفت کرتے ہیں۔ میں تو حدود بیان کر رہا ہوں کہ جہاں ہم ان کی خدمت کے قائل ہیں،

ان کی عزت کرتے ہیں، وہاں ساتھ ساتھ یہ نصیحت ہے کہ وہ علماء کو حقیر نہ سمجھیں، مشائخ و بزرگوں کو حقیر نہ سمجھیں۔

امریکہ جاپان میں اسلام پہنچانے سے ہمیں خوشی ہے لیکن اس کو اس حیثیت سے بیان نہ کریں کہ بخاری پڑھانے والے علماء اور مشائخ جو تزکیۂ نفس کا کام کررہے ہیں وہ گویا کمتر ہیں اور کوئی آلو بیچتے بیچتے جاپان چلا گیا اور اس کے ہاتھ پر کوئی جاپانی مسلمان ہوگیا تو اس کا درجہ بخاری پڑھانے والوں سے زیادہ بڑھ گیا۔ یہ عنوان جائز نہیں ہے بلکہ حرام کا فتویٰ دیتا ہوں اس لیے کہ اہل اللہ سے لوگ دور ہوجائیں گے، علماء کی عظمت دلوں سے نکل جائے گی اور تعظیمِ علماء میں کمی کرنے پر بڑی سخت وعید ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے ہمارے علماء کا اِکرام نہیں کیا وہ ہم میں سے نہیں۔

علماء، اہل اللہ اور مشائخ سے دور کرنا اخلاص کے بھی خلاف ہے کیونکہ اس کا مقصد عوام کو اپنا معتقد بنانا ہے جس کی تہہ میں حُبِّ جاہ چھپی ہے۔ اس لیے تزکیۂ نفس اور اِخلاص فرضِ عین ہے، بعثتِ نبوت کے مقاصد میں سے ہے۔

جب چھ نمبر میں اِکرامِ مسلم ہے تو علماء مسلم نہیں ہیں؟ یہ تو بڑے مسلمانوں میں سے ہیں بلکہ مسلم گر ہیں اور مسلمانوں کو مسلمان بنانے والے ہیں، ایسی گفتگو تو انہی کے نمبر اِکرامِ مسلم سے حرام ہے، اس لیے عرض کردیا کہ یہ جو تبلیغ کا کام ہورہا ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اپنے ہی لوگ ہیں۔ کچھ لوگ جو نئے رنگ روٹ ہیں یا جن کو علم نہیں ہے یا جنہوں نے بزرگوں کی صحبت نہیں اُٹھائی اُن سے اِس قسم کی باتیں نکل جاتی ہیں۔ ہمارے وہ احباب جو اہل اللہ سے یا ان کے غلاموں سے تعلق رکھتے ہیں اور تبلیغ میں بھی جاتے ہیں ان سے کبھی آپ نے ایسی بات سنی؟ کیوں؟ اہل اللہ کی صحبت کی برکت کی وجہ سے۔ تو جن لوگوں نے اہل اللہ کی صحبت نہیں اٹھائی، نفس کی اصلاح نہیں کی اور دین

انہیں مغلوب الحال لوگوں سے ملا تو یہ بھی مغلوب الحال ہو جاتے ہیں پھر ان کو وہی نظر آتا ہے کہ جو اس کام میں نہیں لگا وہ کچھ بھی نہیں۔

مبارک اور بے مثال جماعت

میں تو یہ کہتا ہوں کہ تبلیغی جماعت بہت ہی مبارک جماعت ہے، دنیا میں اس جماعت کی مثال نہیں ہے، یہ سارے عالم میں کس قدر محنتیں کر رہے ہیں، اللہ ان کی محنت کو قبول فرمائے لیکن دل چاہتا ہے کہ جب یہ اتنی محنت کرتے ہیں اور اپنا بوریہ بستر لے کر نکلتے ہیں تو ان کی محنت رائیگاں نہ ہو۔ ان کی محنتوں پر آج اختر نے یہ محنت کی ہے تاکہ ان کی محنتیں رائیگاں نہ جائیں اور اخلاص کی برکت سے قبول ہو جائیں، تکبر، ریا اور دِکھاوے سے ضائع نہ ہو جائیں، میرے اس سارے بیان کا یہی مقصد ہے۔ میرے احباب میں جو لوگ اس کام میں لگے ہوئے ہیں میں خود اُنہیں تبلیغ میں جانے کی اجازت دیتا ہوں۔ جو لوگ تبلیغ میں لگے ہیں ان میں بہت سے میرے خلیفہ بھی ہیں، میں نے بخل نہیں کیا کہ تبلیغ والے کو کیوں خلافت دوں۔ وہ جب چلہ لگانے جاتے ہیں تو پوچھ کر جاتے ہیں پھر آکر مجھ سے ملتے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ ہم نے جہاں جہاں آپ کی باتیں نقل کیں تو اگرچہ بعض نادانوں نے اعتراض بھی کیا کہ چھ نمبر سے آگے کیوں جا رہے ہو لیکن جو لوگ سمجھدار تھے انہوں نے کہا کہ آہ! آج تم نے کیسی پیاری باتیں سنائیں جس سے ہماری آنکھیں کھل گئیں اور انہوں نے ہمارا شکریہ ادا کیا۔ اسی لیے کہتا ہوں کہ یہ ہمارے بزرگوں کی، تمام اولیاء اللہ کی ٹکسالی باتیں ہیں، کھرا سونا ہے جہاں چاہو پیش کرو۔

علماء کا اِکرام نجات کا سرمایہ ہے

یہ باتیں اِس لیے عرض کر دِیں تاکہ ہمارے دلوں سے اپنے مشائخ،

بزرگانِ دین، علماء کرام کی عظمت جو ہماری نجات کا سرمایہ ہے وہ قائم رہے۔ سن لو! میں اپنے بزرگوں کی محبت کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتا ہوں اور یہ میرا ہی قول نہیں بلکہ تبلیغی جماعت کے ایک بہت بڑے شخص مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دعاجُو رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے جن کی قبر ٹنڈو آدم میں ہے۔ جب ان کا انتقال ہونے لگا تو انہوں نے مفتی رشید احمد صاحب کو بلایا اور مفتی صاحب نے یہ مجھ سے خود بیان فرمایا کہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب نے مرتے وقت یہ فرمایا کہ اے مفتی رشید احمد تم گواہ رہنا کہ عبدالعزیز دہلوی مر رہا ہے مولانا گنگوہی، مولانا قاسم نانوتوی، مولانا اشرف علی تھانوی کے مسلک پر۔ شاہ صاحب تبلیغی جماعت کے آدمی تھے، ساری زندگی انہوں نے تبلیغ میں لگائی لیکن مسلک کے اعتبار سے اپنے بزرگوں کی محبت اور تعلق کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ اس لیے میں نے یہ باتیں یاد کرادیں تاکہ ایسا نہ ہو کہ بعضے اناڑی اور کم سمجھ لوگوں کی باتوں میں آکر کوئی یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ ہمارے جن علماء کے ہاتھوں پر کوئی جاپانی مسلمان نہیں ہوا وہ کنڈم ہیں۔

تبلیغی جماعت سب سے اچھی جماعت ہے اور اس سے امت کو بہت فائدہ پہنچ رہا ہے، اسکول، کالج، یونیورسٹی کے لڑکے نیک بن رہے ہیں، لیکن جہاں گاڑی اٹکے وہاں علماء سے رجوع کرو مثلاً نماز کی ترغیب تو دے دی لیکن اگر کوئی نماز میں غلطی کرے تو علماء کی ذمہ داری ہے کہ اس کا مسئلہ بتائیں۔ غلطی کی اصلاح کے لیے مسئلہ تو بتانا پڑے گا، اب کوئی یہ سمجھے کہ صاحب یہ تو نماز کے مخالف ہیں تو وہ بیوقوف ہے۔ اسی طرح اگر کوئی تبلیغ میں غلطی کرے گا تو علماء کے ذمہ ہے کہ اس کا مسئلہ بھی بتائیں کیونکہ تبلیغ بھی دین کا شعبہ ہے لہٰذا ان علماء کو تبلیغ کا مخالف سمجھنا بے وقوفی ہے۔

کثرتِ ضحک کی شرح

تو میں عرض کرر ہا تھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو سات نصیحتیں فرمائیں۔ تین نصیحتیں میں نے سنا دیں، باقی چار بھی بتائے دیتا ہوں۔ چوتھی نصیحت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ فرمائی:

﴿اِیَّاکَ وَ کَثْرَۃَ الضِّحْکِ﴾

(المشکوٰۃ، ج: ۲، ص: ۴۱۴)

کثرتِ ضحک سے بچو کیونکہ زیادہ ہنسنا دل کو مردہ کردیتا ہے، اس سے مراد وہ ہنسی ہے جو غفلتِ قلب کے ساتھ ہو، اگر دل اللہ سے غافل نہیں تو ہنسنے میں مضائقہ نہیں لیکن اس میں بھی اتنا غلو نہ کرو کہ ہر وقت ہنستے ہی رہو اور نہ اتنی کمی کرو کہ ہنسنا ہی بھول جاؤ لہٰذا اللہ والے دوستوں کے ساتھ تھوڑا ہنسنا بھی چاہیے کیونکہ یہ مقوی قلب اور مقوی اعصاب ہے، بالکل خاموشی سے اعصاب ٹوٹ جاتے ہیں لہٰذا خاموشی میں بھی غلو نہ کرو، نہ ہر وقت ہنستے رہو نہ بالکل خاموش رہو بلکہ ہر چیز اعتدال میں ہو۔

ایک مرتبہ سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف فرما تھے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضرِ خدمت ہوئے، اتنے میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کسی بات پر ہنسی آگئی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دعا دی:

﴿اَضْحَکَ اللّٰہُ سِنَّکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ﴾

(صحیح البخاری، ج: ۲، ص: ۸۹۹ باب التبسم و الضحک)

اے اللہ کے رسول! اللہ آپ کو ہنستا ہی رکھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ چھوٹوں کو بھی حق ہے کہ اپنے بزرگوں کو دعا دیں جیسا کہ ایک صحابی حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مجلس میں تشریف لائے

تو کہیں بیٹھنے کی جگہ نہ ملی، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں اپنی چادر عنایت فرمائی کہ اس پر بیٹھ جاؤ تو انہوں نے وہ چادر لے کر اس کو بوسہ دے کر واپس کر دی اور آپ علیہ السلام کو دعا دی:

﴿اَکْرَمَکَ اللّٰہُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کَمَا اَکْرَمْتَنِیْ﴾

(المستدرک، کتاب الادب، ج:۴،ص:۲۹۲)

اے اللہ کے رسول! اللہ آپ کو عزت دے جیسا آپ نے مجھے عزت دی۔ معلوم ہوا کہ مرید اپنے شیخ کو، شاگرد استاد کو اور بیٹا باپ کو دعا دے سکتا ہے لہٰذا آپ علیہ السلام کے ہنسنے پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دعا دی اَضْحَکَ اللّٰہُ سِنَّکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ یہ حدیث بخاری شریف کی کِتَابُ الضِّحْکِ میں موجود ہے۔

اب اس پر ایک اِشکال پیدا ہوتا ہے کہ ایک شخص برابر ہنستا رہے اور ایک سیکنڈ بھی اس کی ہنسی نہ رکے تو ہم کو اور آپ کو اس کے بارے میں کیا خیال ہوگا کہ اسے کسی ڈاکٹر کو دِکھانا چاہیے، اس کو کیا ہو گیا ہے؟ تو ہر وقت ہنسنے سے کیا مراد ہے؟ محدثین نے اس کا جواب دیا ہے کہ یہ ہر وقت ہنسنے کی دعا نہیں ہے بلکہ اس کا معنی ہے:

﴿اَیْ اَدَامَ اللّٰہُ فَرْحَکَ﴾

(المرقاۃ، باب: مناقب عمر رضی اللہ عنہ، ج:۱۰،ص:۳۸۸)

اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ آپ کی فرحت اور خوشی کو ہمیشہ قائم رکھے۔ ہمیشہ ہنسنے سے یہاں فرحتِ قلب مراد ہے کیونکہ جب فرحتِ قلب نہ ہوگی تو ہنسی کیا آئے گی تو دلالتِ التزامی سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دعا دی کہ اَدَامَ اللّٰہُ فَرْحَکَ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے اور آپ کے قلب کی فرحتوں کو اللہ تعالیٰ ہمیشہ قائم رکھیں۔ اسی لیے عرض کر دیا کہ بعض لوگ ایک حدیث دیکھ کر مفتی بن

جاتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تبسم فرماتے تھے، ہنستے نہیں تھے، دوسری احادیث ان کے مطالعے میں نہیں تو جب کسی عالم کو ہنستے دیکھتے ہیں تو اعتراض کرتے ہیں کہ صاحب یہ کیا ہے؟ حالانکہ میں آپ کو ایک حدیث سناتا ہوں کہ حضرت سعد ابن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ماموں تھے، انہوں نے جنگِ بدر میں ایک مشرک کو تیر سے مار گرایا، وہ ننگا ہو گیا:

﴿فَضَحِکَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَتّٰی نَظَرْتُ اِلٰی نَوَاجِذِہٖ﴾

(صحیح مسلم، ج:۲، ص: ۲۸۱)

آپ علیہ السلام اتنا ہنسے کہ ڈاڑھیں مبارک نظر آنے لگیں، لہٰذا علم پورا ہونا چاہیے، اردو کی کتابیں پڑھ کر علماء کی اِصلاح مت کیجیے، مفتی نہ بنیے۔

ہنسنے میں بھی دل اللہ سے غافل نہ ہو

غرض ہمارے بزرگ ہنستے بھی ہیں اور ہنساتے بھی ہیں لیکن ان کا دل اللہ سے غافل نہیں ہوتا۔ ایک مجلس میں حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ خوب ہنسے اور مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے پیر بھائیوں کو بھی خوب ہنسایا، بعد میں خواجہ صاحب نے پوچھا کہ سچ سچ بتائیں ہنسی کی اس محفل میں کیا آپ کے دل اللہ سے غافل تھے؟ تو مفتی صاحب نے فرمایا کہ بوجہ ادب کے ہم سب خاموش ہو گئے، اس پر حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا کہ الحمد للہ اس وقت بھی میرا دل اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشغول تھا اور پھر یہ شعر پڑھا ؎

لبوں پہ گو ہے ہنسی بھی ہر دم اور آنکھ بھی میری تر نہیں ہے
مگر جو دل رو رہا ہے پیہم کسی کو اس کی خبر نہیں ہے

اللہ والوں کی ہنسی اور اپنی ہنسی کو برابر مت سمجھو کیونکہ وہ بظاہر ہنس رہے ہوتے ہیں مگر ان کا دل پھر بھی رو رہا ہوتا ہے۔ اس پر میرا بھی ایک شعر ہے ؎

لب ہیں خنداں، جگر میں ترا درد و غم
تیرے عاشق کو لوگوں نے سمجھا ہے کم

اللہ والا اگر کاروبار بھی کر رہا ہے، مخلوق میں بھی بیٹھا ہے، بات چیت بھی کر رہا ہے اور ہنس بھی رہا ہے مگر اُس وقت بھی وہ خدا کے ساتھ ہے، جسم کے مرتبہ میں وہ آپ کے ساتھ ہے اور روح کے مرتبہ میں وہ اللہ کے ساتھ ہے۔ اس مضمون کو اختر نے ایک اور شعر میں پیش کیا ہے ؎

دنیا کے مشغلوں میں بھی یہ باخدا رہے
یہ سب کے ساتھ رہ کے بھی سب سے جدا رہے

حق بات کہنے کا سلیقہ

پانچویں نصیحت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ فرمائی:

﴿قُلِ الْحَقَّ وَاِنْ کَانَ مُرًّا﴾

(المشکوٰۃ، ج: ۲، ص: ۴۱۴)

حق بات کہو اگرچہ کڑوی ہو، لیکن دوستو! حق بات بھی اگر کہنا ہو تو اس کو بھی سلیقہ سے کہو، جیسے اگر کوئی اپنی ماں سے کہے کہ اے میرے ابا کی بیوی! ناشتہ لاؤ تو ہے تو حق مگر ظالم نے حدیث کے مفہوم کو ضائع کر دیا۔ دین ہمیں ادب کا درس دیتا ہے، بے ادبی نہیں سکھاتا۔ دیکھو! حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کو توڑنے کو اپنی طرف منسوب کیا، لیکن جب دو غلاموں کی دیوار کو سیدھا کیا تو اس کو اللہ کی طرف منسوب کیا، حالانکہ تینوں کام اللہ کے حکم سے کیے تھے، لیکن جو عیب کی بات تھی اس کو اپنی طرف منسوب کیا فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِیْبَھَا پس ارادہ کیا میں نے کہ کشتی کو عیب دار کروں اور جب معاملہ دیوار سیدھی کرنے کا آیا تو اپنے رب کی طرف نسبت کی:

﴿فَاَرَادَ رَبُّکَ اَنْ یَّبْلُغَا اَشُدَّھُمَا وَ یَسْتَخْرِجَا کَنْزَھُمَا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّکَ﴾

(الکہف، آیت: ۸۲)

لہٰذا دوستو! حق بات بے شک کہو، ڈٹ کر کہو مگر موقع محل دیکھ کر ادب اور سلیقہ سے کہو جیسے شکاری جس چڑیا کا شکار کرنا چاہتا ہے تو اس کی بولی بھی سیکھتا ہے ورنہ وہ بھاگ جائے گی، اگر شاعر آیا ہے تو دو تین شعر پڑھ کر اس کو اللہ کے عشق میں پھنساؤ، اگر ڈاکٹر ہے تو اس کو تھوڑی سی ڈاکٹری بھی سناؤ مثلاً اس سے کہو کہ فرانس کے ڈاکٹر پاگلوں کو مسواک کراتے ہیں جس سے گندہ مواد ان کے دماغ سے نکلتا ہے اور وہ ٹھیک ہو رہے ہیں اور ہم اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس مبارک سنت کو چھوڑے ہوئے ہیں حالانکہ مسواک سے نماز کا ثواب ستّر گنا بڑھ جاتا ہے اور کھانے کے بعد انگلیاں چاٹنے سے ایک ایسا لعاب نکلتا ہے جس سے کھانا ہضم ہو جاتا ہے۔ یہ ڈاکٹروں کا تجربہ ہے لیکن ہم ڈاکٹروں کے تجربہ کی وجہ سے انگلیاں نہیں چاٹتے بلکہ اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اِتباع میں چاٹتے ہیں۔ بالفرض اگر ڈاکٹر منع بھی کریں تو ہم ان کی نہیں مانیں گے، اپنے نبی کی مانیں گے۔ اسی طرح کھانے کا برتن صاف کرنا بھی سنت ہے، کیونکہ برتن دعا دیتا ہے کہ اے اللہ! اس کو جہنم کی آگ سے اس طرح بچا جس طرح اس نے مجھے شیطان سے بچایا، اس حدیث کو علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب شامی جلد نمبر ۵ کتاب الحظر والاباحہ میں نقل فرمایا ہے۔

راہِ حق میں طعن وملامت سے نہ ڈریں

اور چھٹی نصیحت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ فرمائی:

﴿لَا تَخَفْ فِی اللہِ لَوْمَةَ لَائِمٍ﴾

(المشکوٰۃ، ج: ۲، ص: ۴۱۴)

اللہ کے راضی کرنے میں کسی کی ملامت کا خوف نہ کرو، اگر کوئی ہنستا ہے تو ہنسنے دو، اگر کسی آدمی کو سخت پیاس لگی ہے اور کوئی شخص اسے ٹھنڈا شربت پلائے اور

یہ جگہ اور بستی ایسی ہے کہ جہاں شربت پینے والوں کا مذاق اُڑایا جاتا ہے تو آپ بتائیں کہ کیا یہ پیاسا شخص لوگوں کے مذاق اُڑانے کے خوف سے شربت پینا چھوڑ دے گا؟ تو اللہ تعالیٰ سے اس کی محبت کی ایسی ہی پیاس مانگو کہ سارے عالم کی ملامتیں تمہیں اللہ کی فرماں برداری کرنے سے نہ روک سکیں۔

اگر کوئی شکاری مچھلی شکار کر کے اسے دوبارہ دریا میں چھوڑ دے تو وہ دوبارہ دریا میں جائے گی یا نہیں؟ اور وہ دوسری سمندری مچھلیوں کی ہنسی مذاق اور طعنوں کی فکر بھی نہیں کرے گی کیونکہ اس کو پتا ہے کہ سمندر کے بغیر ہمیں راحت اور آرام نہیں مل سکتا، خشکی میں تو موت ہے، اس لیے وہ کسی کے لعن طعن کی پرواہ نہیں کرے گی بلکہ دوبارہ سمندر میں جانے کی کوشش کرے گی۔ اسی طرح مومن کی شان یہ ہے کہ وہ اللہ کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرتا، اللہ کے معاملہ میں مخلوق کا خوف نہیں کرتا، کسی کی لعنت ملامت سے نہیں ڈرتا، اپنی بیوی سے نہیں ڈرتا، برادری اور معاشرہ سے نہیں ڈرتا، اپنے علاقہ اور ملک سے نہیں ڈرتا، سارا ملک اگر ڈاڑھی منڈادے لیکن وہ تنہا شیر کی طرح ڈاڑھی رکھتا ہے۔ ہمارے لیے کتنے شرم کی بات ہے کہ دس لاکھ کی آبادی میں ایک سکھ رہتا ہے لیکن وہ کافر ہو کر بھی اپنے گرونانک کی محبت میں ڈاڑھی نہیں منڈاتا۔ بھائیو! ہم کیا دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عاشق ہیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ سے ایسا ایمان مانگو کہ اگر سارا جہاں کافر ہو جائے پھر بھی اے اللہ ہم آپ کو نہ چھوڑیں، اسی کو عشق کہتے ہیں ؎

میں ہوں اور حشر تک اِس در کی جبیں سائی ہے
سرِ زاہد نہیں، یہ سر، سرِ سودائی ہے

اپنے عیوب کا استحضار رکھیں

اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ساتویں اور آخری نصیحت یہ فرمائی:

﴿لِیُحجِزُکَ عَنِ النَّاسِ مَا تَعلَمُ مِنُ نَّفُسِکَ﴾

(المشکوٰۃ، ج: ۲، ص: ۴۱۴)

کہ تمہیں اپنے نفس کے بارے میں معلوم ہے کہ تم نے کتنی بدمعاشیاں کی ہیں، بالغ ہونے سے لے کر اب تک اپنا سب حال معلوم ہے، لیکن دوسروں کا عیب نظر آتا ہے تو پہاڑ کی مانند لگتا بہت بڑا لگتا ہے اور اپنا عیب مچھر نظر آتا ہے، حالانکہ حکم یہ ہے کہ اپنے عیب کا اتنا مطالعہ کرو کہ دوسروں کے عیب دیکھنے کا موقع ہی نہ ملے۔

اللہ والے کی نافرمانی کی سزا

تو بات چل رہی تھی کہ اولیاء اللہ کے بارے میں اپنی زبان احتیاط سے استعمال کرو۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے ایک جگہ فرمایا ہے کہ بعض اوقات ہاتھی کو ستانے اور چھیڑنے کو تو ہاتھی برداشت کرلے گا لیکن اگر ہاتھی کے بچے پر ہاتھ ڈال دیا تو ہاتھی چیر پھاڑ کر رکھ دے گا۔

ایک جنگل میں دس آدمی گئے، ایک صاحبِ کشف بزرگ نے ان سے کہا کہ دیکھو ہاتھی کے بچہ کا گوشت مت کھانا۔ ان کو کشف ہوا تھا کہ وہ راستہ بھول جائیں گے اور ان کو بھوک لگے گی، بزرگ کو خطرہ محسوس ہوا کہ بھوک کی شدت سے کہیں وہ ہاتھی کے بچہ کا گوشت نہ کھالیں۔ کشف اللہ کے ہاتھ میں ہے، بندہ کے اختیار میں نہیں، اگر اختیاری ہوتا تو حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں ہوجاتا جو قریب کے ایک کنویں میں موجود تھے۔ معلوم ہوا کہ کشف انبیاء کے اختیار میں بھی نہیں ہے، یہ دلیل ہے کہ کشف اللہ کی طرف سے ہوتا ہے لہٰذا جب اللہ کا فضل ہوا تو ہزاروں میل دور سے حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص کی خوشبو حضرت یعقوب علیہ السلام کو آگئی۔

بات چل رہی تھی دس آدمیوں کی کہ وہ جنگل میں راستہ بھول گئے تو انہوں نے کہا کہ ہم ہاتھی کا گوشت نہیں کھائیں گے کیونکہ ہمارے بزرگ نے منع

فرمایا ہے، کئی دن بعد جب ان کو شدید بھوک لگی ہوئی تھی اور وہ بھوک سے بدحواس ہوگئے تھے ان کی نظر ہاتھی کے ایک بچہ پر پڑی۔ نو آدمیوں نے کہا کہ ہم اپنے بزرگ کی بات پر عمل کرتے ہیں، انہوں نے ہمیں گوشت کھانے سے منع کیا تھا، لیکن دسویں آدمی نے کہا کہ ارے چھوڑو! ہمیں بھوک لگی ہے، چنانچہ اس نے تلوار سے اس بچہ کو ذبح کر کے اس کا گوشت کھالیا۔ رات کو اس بچے کی ماں ہتھنی آگئی، جب اس نے دیکھا کہ بچہ نہیں ہے تو بچہ کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئی، اس نے دیکھا کہ ایک جگہ دس آدمیوں کی جماعت سوئی ہوئی ہے، ہتھنی نے سب آدمیوں کا منہ سونگھا، جس نے اس کے بچہ کا گوشت کھایا تھا وہ درمیان میں سویا ہوا تھا کہ اگر ہاتھی آبھی گیا تو پہلے دوسروں کو پکڑے گا اور اس کے شور کی وجہ سے میں جاگ جاؤں گا، لیکن ہتھنی نے باری باری سب کا منہ سونگھا، جب درمیان والے کا منہ سونگھا جس نے گوشت کھایا تھا تو ہتھنی نے اپنے بچے کے خون کی بو پہچان لی، اس نے اس آدمی کی ایک ٹانگ سونڈ میں پکڑی اور دوسری ٹانگ اپنے پیر کے نیچے دبا کر اس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ اس واقعہ کو نصیحت کے طور پر فرماتے ہیں کہ دیکھو! اللہ کے حق میں اگر کوتاہی ہوجائے تو رونے سے اور معافی مانگنے سے وہ معاف کر دے گا، لیکن اگر اس کے اولیاء کو ستایا تو بعض اوقات وہ اپنے اولیاء کے معاف کرنے پر بھی معاف نہیں کرتا۔

ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد
تا دلِ صاحب دلے نامش بدرد

یعنی اللہ کسی قوم کو رسوا نہیں کرتا جب تک وہ کسی اللہ والے کو نہ ستائے۔ اس لیے دوستو! میں نے یہ عرض کیا کہ اپنے کو تو عیب دار سمجھو، لیکن دوسرے کے عیب کو مت دیکھو، عوام علماء کے عیب نہ تلاش کریں اور مقتدی اپنے ائمہ کرام کے عیب پر نظر مت رکھیں بلکہ ان کی خبر گیری کرو کہ وہ بیچارے کس حال میں ہیں

اور ان کے لیے دعا کریں۔

اہلِ علم کی فضیلت

علماء کی عظمت پر آج میں نے جو بیان کیا اس پر اللہ پاک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہم سے خوش فرما دیں کیونکہ علماء کی عزت سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خوش ہوتے ہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو میرے علماء کی عزت نہ کرے فَلَیْسَ مِنَّا میرا اس سے کوئی تعلق نہیں، سوچ لو اس کو! علماء کو اللہ تعالیٰ نے بڑی عظمت عطا فرمائی ہے۔ امام رازی نے تفسیر کبیر میں فضائلِ علم میں حدیث نقل کی ہے کہ علماء کو جنت کے دروازوں پر اللہ تعالیٰ روک دیں گے اور فرمائیں گے:

﴿لَا تَدْخُلُوْا اِشْفَعُوْا لِمَنْ تَشَآءُ وْنَ﴾

ابھی جنت میں داخل نہ ہو جس کی تم چاہو شفاعت کرو اور جنت میں لے جاؤ، یعنی اللہ تعالیٰ خود فرمائیں گے کہ اے علماء کرام! تم کو ہم نے علم کی دولت دی ہے تم سفارش کرو، ہم تمہاری سفارش قبول کریں گے۔ بتائیے کتنی بڑی چیز ہے۔ علماء وارثینِ انبیاء ہیں اور حدیث میں ہے کہ شفاعت کا حق سوائے تین کے اور کسی کو نہیں ملے گا انبیاء، علماء اور شہداء۔

بزرگوں کی دعاؤں کا اثر

میں نے اِس وقت بفضلہٖ تعالیٰ قرآن وحدیث سے مدلل بیان کیا ہے، عربی کی عبارات تک نقل کیں تاکہ اہلِ علم حضرات کو صحیح مزہ آئے، اہلِ علم کے لیے عربی کی عبارتیں شربتِ روح افزاء کا کام کرتی ہیں، یہاں جو علماء بیٹھے ہوئے ہیں ان سے پوچھ لو، میں نے تمام تفسیری اقوال عربی کے نقل کیے ہیں، اللہ نے

عربی کی عبارات نقل کرنے کے متعلق میرا حافظہ قوی کر دیا۔ جب اللہ تعالیٰ کسی کے بچہ کو بادشاہ بنانا چاہتے ہیں تو شاہی تربیت کے لیے ماں باپ کی غذا بڑھا دیتے ہیں، اگر کسی غریب کے بیٹے کو بہت بڑا انجینئر بنانا ہے تو ماں باپ کی روزی بڑھا دیتے ہیں اور اس کو اچھی غذا ملتی ہے ایسے ہی جس کی آغوشِ تربیت میں کسی بڑی شخصیت کی تربیت کرانی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ شیخ کی بھی روحانی غذائیں بڑھا دیتے ہیں۔ جب جسمانی غذاؤں کے وہ رب العالمین ہیں تو روحانی غذاؤں کے بھی وہ رب العالمین ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ ان طالبین کی قسمتوں سے، محدثین کی قسمتوں سے، علماء کی قسمتوں سے مضامین بھی ویسے ہی دلِ شیخ پر عنایت فرماتے ہیں کہ ان کے دل میں بھی سیرابی آجاتی ہے اور ان کو اطمینان ہوجاتا ہے کہ الحمدللہ ہمارا پیر علم کی روشنی میں تصوف کو سکھا رہا ہے ورنہ پھر وہ مزہ نہیں آتا۔ آج بڑے بڑے علماء جب اس فقیر سے عربی عبارت سنتے ہیں تو مطمئن ہوجاتے ہیں ورنہ اگر صرف اردو میں کہتا تو ان کی تشفی نہ ہوتی۔ آپ لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے حافظہ بھی قوی کر دیا ورنہ پہلے میرا حافظہ اتنا قوی نہ تھا کیونکہ بڑے علماء سے واسطہ پڑنا تھا جن کو معمولی غذائے علم سے تشفی نہ ہوتی اللہ تعالیٰ نے ان علماء کی قسمتوں سے میرا حافظہ بھی قوی کر دیا اور میرے علم میں اللہ نے برکت ڈال دی۔ بڑے بڑے علماء نے مجھ سے کہا کہ ہم لوگ جاہلوں میں اس طرح عربی نہیں پیش کرتے جیسے آپ ہم جیسے علماء میں پیش کرتے ہیں اور صدر مدرس ہردوئی نے کہا کہ تم مولویوں میں فرفر عربی عبارات نقل کرتے ہو، ذرا بھی نہیں ڈرتے کہ کہیں زیر زبر کی کوئی غلطی ہوجائے اور فاعل کو مفعول اور مفعول کو فاعل بنادو۔ میں نے کہا کہ میں جو کچھ بولتا ہوں اس کے سارے قواعد میرے ذہن میں ہوتے ہیں اور میں نے فنِ نحو پر ایک کتاب بھی لکھی ہے ''تسہیل قواعد النحو'' اور میں نے عربوں کو پڑھایا ہے، جب میں نے

عدد، تمیز وغیرہ بیان کیے تو الحمد للہ عربوں نے میرا شکریہ ادا کیا اور یہ کرامت میرے بزرگوں کی ہے۔اس وقت ایک بڑا پیارا شعر یاد آ گیا ؎

چاند تارے میرے قدموں میں بچھے جاتے ہیں
یہ بزرگوں کی دعاؤں کا اثر لگتا ہے

یہ بزرگ کون ہیں؟ مولانا شاہ ابرار الحق صاحب کی دعائیں ہیں، شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دعائیں ہیں، مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دعائیں ہیں۔طبیہ کالج الہ آباد میں پڑھتے وقت میں نے تین برس حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں گذارے، میں کہتا ہوں کہ کوئی ایک دریا سے پیتا ہے، کوئی دو دریا سے پیتا ہے تو وہ سنگم ہو جاتا ہے اور جو تین دریا سے فیض لیتا ہے وہ تربینی ہو جاتا ہے، اس وقت میں ہندوستان کی زبان بول رہا ہوں تو اللہ تعالیٰ نے اختر کو تین دریاؤں کا چشمہ عطاء فرمایا ہے، بس اللہ قبول فرمالے اور مجھے عاجزی اور تواضع کا اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا فرما دے جہاں فنائیت ختم ہوتی ہے، اس سے آگے فنائیت کا کوئی درجہ نہ ہو، خدا تعالیٰ اختر کو، ہم سب کو اس مقام تک پہنچا دے۔

آج میرا دو روحانی بیماریوں کے سلسلہ میں کچھ عرض کرنے کا ارادہ تھا یعنی غصہ اور بدنظری لیکن ایک مضمون دوسرے مضمون کی طرف چلا گیا۔ اب تو آپ کو یقین آ جائے گا کہ میں مقرر نہیں ہوں ؎

رشتۂ بر گردنم افگندہ دوست
می برد ہر جا کہ خاطر خواہِ اوست

میرا دوست میری گردن میں رسی ڈالے ہوئے ہے، جس طرف چاہتا ہے مجھے لے جاتا ہے، گو میں اس قابل نہیں ہوں کہ اس کو دوست کہہ سکوں، میں صرف اس شعر کا ترجمہ کر رہا ہوں، لیکن اللہ کی ذات کریم ہے، کیا بعید ہے کہ وہ ہم جیسے نالائقوں کو بھی اپنا بنالے، اس کی شانِ کریمی سے کیا بعید ہے۔

اس وقت جو کچھ اللہ نے ذہن میں ڈالا وہ میں نے بیان کردیا، میرے پاس کچھ نہیں ہے، میری جھولی میں اس نے جو کچھ ڈالا وہ میں نے پیش کردیا۔ میں اللہ تعالیٰ سے بھیک مانگتا ہوں کہ یا اللہ! آپ کے بندوں کے لیے جو مضمون مفید ہو وہ میرے دل میں ڈال دیں اور اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے مجھے جو بھیک عطا فرماتے ہیں وہ میں آپ کے سامنے پیش کردیتا ہوں اور میں اس پر خوش بھی ہوں، مجھے قطعی کوئی غم نہیں ہے کہ میں نے کیا بیان کرنے کا ارادہ کیا تھا اور اللہ نے مجھ سے کیا بیان کروادیا، ہم تو اپنے ارادے کے ٹوٹ جانے سے اس کو پہچانتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ارادے ٹوٹ جانے سے اپنے رب کو پہچانا۔ معلوم ہوا کہ کوئی ہے جو ہمارے ارادوں پر اپنا ارادہ مسلط کرتا ہے۔

اب دعا کر لیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اولیاء صدیقین کی آخری سرحد تک پہنچا دے، نبوت کا دروازہ تو ہمیشہ کے لیے بند ہو چکا لیکن ولایت کا دروازہ آپ نے قیامت تک کے لیے کھول رکھا ہے لہٰذا اپنی رحمت سے، اپنے کریم ہونے کے صدقہ میں کہ آپ کریم ہیں، نااہلوں پر فضل فرمانے والے ہیں، ہماری نااہلی کے باوجود اولیاء صدیقین کی منتہاء تک ہم سب کو اپنی رحمت سے پہنچا دیجئے، ہمارے بچّوں کو اور اُن لوگوں کو جو میری مجلس میں آتے ہیں اور ان لوگوں کو جو میرے ہاتھ پر بیعت ہیں اور ان لوگوں کو جو میرے شیخ کے ہاتھ پر بیعت ہیں، میرے متعلقین اور میرے شیخ کے متعلقین یا اللہ سب کو ولایت کی خطِ انتہا تک پہنچا دیجیے اور جو خانقاہ میں داخل ہو جائے اے اللہ! وہ بھی محروم نہ جائے، جو یہاں آجائے اس کو بھی اور ہم سب کو بھی صاحبِ نسبت بنادے، نسبتِ لازمہ بھی دے دے، نسبتِ متعدیہ بھی عطاء فرمادے، آمین۔

وَ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِہٖ وَ صَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِکَ یَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ